وصی شاہ

تم مرے درد بھی، غم بھی، مرے آلام بھی تم
تم مرا چین ہو جاناں ، مرا آرام بھی تم

کامیابی کو نہیں ہم نے تمہیں چاہا ہے
ہم تمہارے ہیں بھلے ہو گئے ناکام بھی تم

میں مسیحا ہوں اگر، میرا وظیفہ تم ہو
میں ہوں مجرم تو مری جاں مرا الزام بھی تم

مختلف حیلوں بہانوں سے مجھے سوچتے ہو
ایک دن کھل کے پکارو گے مرا نام بھی تم

رات دن تم کو فقط تم کو مجھے سوچنا ہے
میری فرصت بھی تمہی اور مرا کام بھی تم

جس سے روشن مرا آنگن ہے تمہی ہو وہ چراغ
سچ تو یہ ہے کہ تمہی گھر ہو درو بام بھی تم

یہ سیاست بھی عجب کھیل ہے بھولے پنچھی
یہاں صیاد بھی تم ہو، تو تہِ دام بھی تم

میرے اللہ تیرا شکر ہے۔
(وصی)

تم بہت سال رہ لیے اپنے
اب مرے، صرف میرے ہو کے رہو

میرے ہو کے رہو

وصی شاہ
Email: poetwasishah@gmail.com
Email: wasishahpoet@gmail.com

نام کتاب	....	میرے ہو کے رہو
شاعر	....	وصی شاہ
ناشر	....	گل فراز احمد
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	رفاقت علی
سن اشاعت	....	نومبر 2008ء
سرورق	....	عاطف اقبال
تصویر	....	شاہد افضال بٹ
قیمت	....	-/250 روپے

☆......ملنے کے پتے......☆

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40-اردو بازار، لاہور۔

فون: 7223584،7232336 فیکس: 7352332

دُعا پبلی کیشنز

ہیڈ آفس: 25 [illegible] 042-7325418

شوروم: [illegible] 042-7233585

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: 7211468-7314169

پیارے ابو جان

سیّد فصیح احمد (مرحوم)

کے نام

جو مجھ سے جُدا ہو کر بھی جُدا نہیں اور میں ہر لمحہ اُن کے روحانی حصار میں رہتا ہوں۔

اور

پیارے چچا جان

سیّد وصال احمد (مرحوم)

کے نام

کہ والد صاحب کی وفات کے بعد وہ نہ ہوتے تو بکھر گیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

ماں

تم سے مل کر آیا ہوں تو لگتا ہے
جیسے کعبے کا حج کر کے آیا ہوں

فہرست

نئی مملکت کا سفر......!

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی بچپن، لڑکپن اور جوانی کے شاداب، شوخ اور جذباتی راستوں سے گزرے اور اُس کے ذہن کی موی تختی پر ان سرسبز راستوں کی خوشبو اور جذباتی مہک کے اثرات مرتب نہ ہوں۔ یہ شوخ اور چنچل لمحے صرف اُن لوگوں کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں چھوڑتے جنھوں نے دل کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی ہو۔ جذبات کے پیروں میں سنجیدگی کی بیڑیاں ڈال دی ہوں اور ہر پل کانوں میں یہ سرگوشی رینگتی رہتی ہو کہ خبردار دیکھنا، سُننا اور بولنا منع ہے۔ ورنہ پتھر کے ہو جاؤ گے......وصی شاہ نے ان تینوں احکامات کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُس نے دل کی آنکھوں سے یہ سیاہ پٹی اُتار کر ان شوخ اور شاداب راستوں پر سفر کیا ہے۔ اور سنجیدگی کے(Mile-Stone) پر آتے آتے لڑکپن اور جوانی کی نوٹنکی کا ایک ایک منظر آنکھ کھول کر دیکھا ہے، بلکہ اِس کھیل میں بھرپور حصہ لیا ہے اور نوٹنکی کی ساری روداد شاعری کے پتوں پر لکھ دی ہے اور نوٹنکی دیکھنے والوں کا مقبول شاعر بن گیا ہے۔ نوٹنکی کے ان تماشائیوں کو لوگ(Teen-Agers) کا نام دیتے ہیں۔ اِس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ وصی شاہ دیکھتے دیکھتے شاعری کے میدان میں اُترا اور اپنے لب ولہجہ کی تلواریوں چلائی کہ دیکھنے والے واہ واہ کر اُٹھے۔ کالج میں ایم۔ اے اُردو کا انٹرویو لیتے وقت جب بھی لڑکے لڑکیوں سے اُن کے پسندیدہ شعر کے بارے میں پوچھا بیشتر لڑکے لڑکیوں نے وصی شاہ کے شعر سنائے۔ پسندیدگی کی وجہ پوچھی تو جواب ملا کہ ''وہ ہماری باتیں کرتا ہے۔ ہم جو سوچتے ہیں وہ لکھتا ہے۔ ہم اپنے دل کی بات اُس کے شعروں میں ڈھونڈ لیتے ہیں۔'' یہ بات سُن کر، وصی کے شعر پڑھ کر بہت سے شاعروں کے ماتھے پر بل آئیں گے۔ مگر یہ بات طے ہے کہ وصی شاہ نوجوان نسل کا مقبول شاعر ہے۔ اور اِس وکٹری سٹینڈ(Victory-Stand) پر وہ ایک جست میں پہنچا ہے۔ اور اُس کے ہاتھ میں پکڑی مخمل جھڑیوں نے سارے ماحول کو گلنار بنا دیا ہے۔

اِک یہی آس ہی کافی ہے مرے جینے میں
دل نہیں آپ دھڑکتے ہیں مرے سینے میں

....

نہ تمھیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اِس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو
اپنے غم سے کہو ہر وقت مرے ساتھ رہے
ایک احسان کرو اِس کو مسلسل کر دو

....

میں مُسکراتا ہوا آئینے میں اُبھروں گا
وہ رو پڑے گی اچانک سنگھار کرتے ہوئے
اب جو لوٹے ہو اتنے سالوں میں
دھوپ اُتری ہوئی ہے بالوں میں

....

ساری رات کی جاگیں آنکھیں
کالج میں کیا پڑھتی ہوں گی

....

شبنمی ستاروں میں پھول کھلنے لگتے ہیں
چاند مُسکراتے ہیں اب بھی تیری آہٹ میں

....

جان سے مار دے مجھے لیکن
چھوڑ جانے کا مجھ پہ ظلم نہ کر

وصی شاہ کے بے شمار اشعار میں سے لیے گئے اِن چند اشعار کو افلاطون کی (Republic) اور تھامس مور کی (Utopia) کو ذہن میں رکھ کر مت پڑھیے۔ یہ رومانویت میں شرابور نسل کے دل کی آواز ہے جسے انگریز شاعر بائرن (Byron) نے (Whispers Behind the curtain) کا نام دیا ہے۔ وصی شاہ کا سارا ابتدائی کلام (بلکہ آج کی شاعری کا کچھ حصہ بھی) اس بے خودی مستی شوخی، چھیڑ چھاڑ، حسرت، ناامیدی کی سرگوشیوں سے بھرا پڑا ہے۔ شاید اسی لیے محبت کی وکٹ پر بلّا بازی کرنے والے نوعمر اور کچی عمر کے کھلاڑی وصی شاہ کی کتاب کو سرہانے رکھ کر سوتے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر لکھنے کا ہنر یقیناً وصی شاہ کو آتا ہے اور یہ ہنر بہت سے شاعروں کو برسوں میں حاصل نہیں ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غزل کہنا ایک کارِ دشوار ہے۔ اتنا دشوار کہ تار پر ہاتھ چھوڑ کر سائیکل چلانا اس کے سامنے ایک معمولی کام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کچھ پڑھے لکھے نقادوں کا کہنا ہے کہ شاعر کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب نظم میں طبع آزمائی کرے۔ میں ذاتی طور پر اس سے متفق ہوں (اگرچہ یہ مسئلہ بحث طلب ہے) کچھ دوستوں نے وصی شاہ کے سینے پر (Teen-Agers) کے شاعر کا (Tag) لگا دیا ہے۔ میرے خیال میں اس سے اُس کی شاعری کا ایک جاندار پہلو قدرے تاریکی میں چلا گیا ہے اور وہ پہلو اُس کی نظمیں ہیں۔

وصی شاہ نے شاعری کی چھت پر اپنے ہونے کا پرچم میرے سامنے لہرایا ہے۔ جب وہ شاعروں کے ہجوم میں شامل ہُوا تو میدان میں کھڑے شاعروں نے اُسے اپنے ساتھ کھڑے ہونے کی جگہ دی۔ اُسے گھور کر دیکھا۔ وصی شاہ نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ اپنی آواز میں باتیں کرتا رہا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گھورنے والی نظروں میں پسندیدگی کی پرچھائیاں جھلملانے لگیں اور وصی شاہ نے شاعری کے میدان میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ اب اپنے پیروں پر کھڑا ہے اور پیروں کے نیچے زمین کا جو حصہ ہے اُس پر اُس کی گرفت مضبوط ہے۔

دو چار کتابیں پڑھ کر اور بے حد اچھے لوگوں اور اُستادوں کی جوتیاں سیدھی کر کے یہ بات ہاتھ آئی ہے کہ دل کی زمین میں پڑھائی لکھائی اور مطالعے کے بیج بُوئے بغیر اچھی شاعری سمجھنے اور لکھنے کا ہنر ہاتھ نہیں آتا اور اس بات کا تعلق شاعر کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ ہر شاعر ابتدا میں رومانیت کی چھتری لے کر دل کی جھاڑیوں پر بیٹھی جذبات کی تتلیاں اُڑاتا ہے۔ رنگ اُچھالتا ہے۔ آوازوں کا پیچھا کرتا ہے۔ اس بھاگ دوڑ میں اُس کا تخلیقی عمل جاری رہتا ہے۔ اس سفر میں کبھی گرتا ہے کبھی سنبھلتا ہے۔ گر گر کر اُٹھتا ہے، چلتا ہے اور زندگی اور زندگی کی شاہراہ سے ٹکراتا ہے۔ آواز میں پختگی آتی ہے۔ لہجہ بدلتا ہے۔ آنکھ کی بصارت تیز ہوتی ہے۔ اور تخلیقی عمل میں حُسن جھلکنے لگتا ہے اور

شاعر اپنی ذات سے باہر نکل کر باہر کے ماحول میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ذاتیات اجتماعیت میں بدل جاتی ہے...... وصی شاہ اب اِس مقام کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ میں نے اُس کی نظمیں پڑھ کر محسوس کیا ہے۔

وصی شاہ کی نظمیں پڑھتے وقت مجھے بہت چونکا دینے والی مسرت حاصل ہوئی۔ اُس کی نظمیں زندگی کے چھوٹے اور بڑے مسائل کو اپنے گھیراؤ میں لیے ہوئے ہیں۔ یہ مسائل ہماری رومانوی اور سیاسی، ذاتی اور ملکی نوعیت کے ہیں۔ مسئلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ شاعر اُسے پیش کیسے کرتا ہے۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے گرو ایذرا پاؤنڈ نے کہا تھا کہ نظم کا (Content) کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو جب وہ شاعر کے احساس میں اُترتا ہے تو شاعر اُس Content کو اپنے اسلوب اور Craft سے بڑا بنا دیتا ہے۔ وصی شاہ کی نظموں میں Craft کا یہ حُسن جھلکتا ہے۔ روزمرہ کا معمولی موضوع بھی اُس کے منفرد اسلوب کی بنا پر قدر و قیمت میں اپنی مثال آپ بن گیا ہے۔

جب سے یہ پیغام ملا ہے
جاناں تم آنے والی ہو
موسم نے سارے گھر کی ترتیب بدل کر رکھ دی ہے
چوکھٹ پر اِک چاند بھی آ کر بیٹھ گیا ہے
کتنے ستارے لاؤنج میں آ کر پڑے ہوئے ہیں
جگنو کب سے چھت پہ گھر کے
ہر گوشے میں چمک رہے ہیں
سورج اور بارش بھی کل سے سائبان پر لگے ہوئے ہیں

مرزا غالب نے بہت سال پہلے محبوب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اس کی محفلِ ناز میں غیروں کا گزر کیا معنی رکھتا ہے۔

میں نے کہا کہ بزمِ ناز غیر سے چاہیے تہی
سُن کر ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں

ایسا ہی مشورہ وصی شاہ نے اپنے محبوب کو دیا اور وہ مشورہ یہ تھا کہ محبوب کو چھوٹی چھوٹی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ وہ اعلیٰ ہے۔ ادنیٰ چیزوں کا اُس کی زندگی میں کیا کام۔ محبوب نے وصی شاہ کی باتیں سن کر ہر چھوٹی چیز سے کنارہ کشی کر لی اور عاشق کو بھی چھوٹی چیزوں کی قطار میں کھڑا کر دیا۔ وصی شاہ کی نظم Red-Charade جب ایک Twist کے ساتھ انجام پر پہنچتی ہے تو چونکا دینے والی مسرت قاری کے ہاتھ آتی ہے۔

اُس نے چھوٹی کار بدل لی
ترک کیے وہ سارے دوست
سب رشتے اور سارے ساتھی
جو چھوٹے تھے
اور شاید ان سب چھوٹوں میں
میں سب سے زیادہ چھوٹا تھا

وصی شاہ کی بے شمار نظمیں جن کا Content بنیادی طور پر رومانویت کا عنصر لیے ہوئے ہے لیکن وہ اس

سے ایک نئی معنویت نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور قارئین کے سامنے سرخرو بھی ہوتا ہے۔ ایک بات جو بڑی اہم ہے اور وہ یہ کہ اُس کے تجربے کی تھیلی میں بے شمار چھوٹے چھوٹے رومانوی مناظر پڑے ہوئے ہیں جنھیں وہ نظم یا غزل لکھتے وقت بروئے کار لاتا ہے۔ اور ان سے دامن چھڑاتا ہے اور وہ زبردستی اس کی شاعری میں درآتے ہیں...... وہ اکیلا سفر پر نکلنا چاہتا ہے لیکن محبوب یا محبوب کی کوئی یاد اُس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ساتھ چلی آتی ہے...... مثلاً اُس کی ایک نظم "چلو" دیکھیے۔

مجھے جنگل پسند آتے ہیں
جانِ مَن
گھنے جنگل
مری اِن بستیوں، شہروں سے دُور
گھپ گھنیرے
راز میں ڈوبے ہوئے جنگل
مجھے جنگل پسند آتے ہیں جانِ مَن گھنے جنگل
کہ جنگل میں فقط طاقت کا ہی قانون چلتا ہے

وصی شاہ شہر کی منافقانہ فضا سے تنگ ہے۔ وہ شہر میں بچھے سازشوں کے جالوں سے جان چھڑا کر جنگل میں جانا چاہتا ہے لیکن اس سفر میں بھی وہ محبوب کو ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ غالب، بائرن اور اقبال نے بھی دنیا سے اُکتا کر گوتم بدھ اور بھرتری ہری کی طرح شہر چھوڑ کر جنگل میں جانے کے بارے میں سوچا تھا...... اقبال کی "آرزو" اور غالب کا یہ شعر

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

اور بائرن کی نظم Roll over blue ocean کا یہ مصرعہ

There is rapture on the lonely shore
There is society where none intrudes

وصی شاہ نے ضرور پڑھا ہوگا۔ وصی شاہ اپنی ذات سے ہجرت کر کے اب دوسروں میں تحلیل ہو رہا ہے۔ ذات سے نکل کر اجتماعی مسائل اور دُکھ درد کی ڈور ڈھونڈ رہا ہے۔ جنگل میں جانے کی خواہش شاید اِسی سفر کا اعلان ہے۔ مگر میرا مشورہ ہے وہ جنگل کی طرف اکیلا جائے۔ محبوب کو ساتھ لے کر نہ جائے کیونکہ فطرت کے راز سمجھنے کے لیے تنہائی بہت ضروری ہے۔

وصی شاہ کی تازہ نظموں میں اِس بات کا اعلان سنائی دیتا ہے کہ اَب اُس نے فطرت یعنی **Mother nature** کی سرگوشیاں سُننا شروع کر دی ہیں۔ اب اُس نے ایسے خواب دیکھنا شروع کر دیے ہیں۔ جن میں سب لوگ شامل ہیں۔ عہدِ حاضر کے دُکھوں کی مرہم تلاش کرنے کے لیے اُس نے آنے والے دنوں سے اُمید لگائی ہے۔ اب وہ مستقبل سے حال کی زبوں حالی کے لیے خوشحالی کشید کرنا چاہتا ہے۔ ذاتی رومانویت سے اجتماعی خوشحالی کی طرف اُس کا یہ قدم اُس کی شاعری کا ایک نیا رُخ پیش کرتا ہے۔ اُس کی نظم 18 اکتوبر میں یہ جھلک نظر آتی ہے۔

تمنا ہوئی دل میں بے تاب پھر سے

بُنیں بیٹھ کر کچھ نئے خواب پھر سے
پرندوں کی خوابوں کی چہکار بانٹیں
محبت کی چاہت کی مہکار بانٹیں
جو سورج نکلنے کو ہے آج کی صبح
چلو اس کی کرنوں کی اُمید تھامیں
چلو اپنے ذمے کی اینٹوں کو چُن لیں
جو تعمیر کرنی ہے دیوار بانٹیں
چلو درد بانٹیں چلو پیار بانٹیں

مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ اُس نے اب فانی جسم سے ہاتھ چھڑا کر رُوح کی لافانی حدود میں چہل قدمی شروع کر دی ہے اور اس چہل قدمی میں اُس کی آنکھ میں احترام اور پیروں میں احتیاط کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور اُس کے ہونٹ قلم بن کر یوں اظہار کرتے ہیں۔

صدیوں سے روشن اِک لمس

غارِ حرا کی دیواروں کو
چھو کر یوں محسوس ہُوا ہے
جیسے میں نے تیرے جسم کو چھو دیکھا ہو
جیسے مجھ میں اقرا، اقرا
کی آوازیں گونج اٹھی ہوں
غارِ حرا کی دیواروں کو چھو کر آقاؐ
علم کی پیاس بجھی بھی ہے
اور
بڑھ بھی گئی ہے

"عشق" عنوان کے تحت لکھی گئی ایک نظم میں وصی شاہ کے اُس سفر کی روداد موجود ہے جو اُس نے اپنے ذاتی عشق سے ہاتھ چھڑا کر کیا ہے۔ اور اُسے چاروں طرف عشق کی لامحدود سرحدیں دکھائی دے رہی ہیں۔

عشق ہوا میں
عشق گھٹا میں
لمبی سی باریک سی پگڈنڈی میں عشق
بَیل کے کانوں سے لپٹی ہوئی
رنگ برنگ جھنڈی میں عشق
بوڑھی، جھریوں والی، گالیاں دیتی، روٹیاں چھنڈتی
شیدے کی مائی میں عشق

ہیر کے گجرے میں جُوڑے میں
عشق کلائی کے چوڑے میں
عشق گلوں میں عشق سفر میں
عشق سجن کی مست نظر میں
عشق دے دکھرے رنگ اوماہی
عشق دے دکھرے رنگ

آخر میں ایک نظم (Third world) کا ذکر بہت ضروری ہے۔ جس نے وصی شاہ کی پرانی اور نئی شاعری کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی ہے۔ اور وصی شاہ اب ایک نئی فکر اور سوچ کے ساتھ گامزن نظر آتا ہے۔ یہ نظم شاید اُس کی آئندہ آنے والی شاعری کا ایک منشور ہے۔ اس نظم میں اُس کا لہجہ بدلا بدلا سا نظر آتا ہے۔ اور اس بدلے لہجے میں ایک ایسا شاعر جنم لے رہا ہے جو سیاسی، معاشرتی اور معاشی تبدیلیوں کا ادراک رکھتا ہے۔ اُس کے وجود میں ایک ایسی تیسری آنکھ نے جنم لے لیا ہے۔ جو جسم میں لگے ہر زخم پر آبدیدہ نظر آتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جہاں شاعر ذاتی اور علاقائی سرحد عبور کر کے آفاقی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں وہ محبوب کا ہاتھ جھٹک کر کہتا ہے کہ

اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

یا

میں نے تم سے ہی نہیں سب سے محبت کی ہے

وصی شاہ کی اِس نظم میں اُسے تیسری دنیا کے وہ قرضے بھی یاد آ رہے ہیں جن کے بوجھ تلے اُس کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ گلیوں میں ہونے والی دہشت گردی بھی نظر آ رہی ہے۔ سارے دُکھ، فاقے، مجبوریاں، بے کسی اور معذوری اُس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خوشحالی کی بھیک مانگ رہی ہیں، وہ گلیوں میں بھٹکتے مفلس بچوں کو دیکھ کر آبدیدہ ہے۔ وہ مزدور کی اُجرت کے لیے سرگرداں نظر آتا ہے۔ صندل کر دو اور مکمل کر دو کہنے والا شاعر اب محبوب سے کہہ رہا ہے۔

یہ ترا حُسن نہیں کچھ بھی محبت کے لیے
چھوڑ دامن مجھے جانے دے مجھے تنگ نہ کر

اب وہ اپنے محبوب سے فرسودہ محبت کے تصور کو بدلنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اور اُس کی ہمسفری صرف اس شرط پر قبول کرتا ہے اگر محبوب اُس کی نئی سوچ کا لبادہ اُوڑھ لے۔

وصی شاہ کی شاعری میں آنے والا یہ موڑ بڑا خوش آئند ہے۔ اُس کے قدم بڑے پائیدان کی طرف اُٹھ رہے ہیں۔ ایک علاقہ اُس نے فتح کر لیا ہے اب اُس کا رُخ دوسری مملکت کی طرف ہے۔ مجھے یقین ہے انشاءاللہ وہ یہاں بھی فاتح رہے گا۔

احمد عقیل روبی

ایک نئے مدار کی جانب

محبت کرنے والوں کے دل بہت عجیب ہوتے ہیں۔ کسی کی یاد میں پگھلے، کسی سے وفا کی ڈوری میں بندھے اور کسی سے بچھڑنے کے خوف میں ہر لحہ دھڑکتے ہوئے...... ایسا ہی ایک دل قدرت نے وصی شاہ کو عطا کیا ہے۔ اس دل کی ساری معصومیت اس کے چہرے کو گھیرے رہتی ہے۔ اسے اُس گلاب کی طرح تازہ رکھتی ہے جس پر اوس کے قطرے چمک رہے ہوں۔ بے کراں اور مستقل محبت اسے جوان رکھے ہوئے ہے۔ ایسا جوان جس نے ابھی ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہوا اور عشق کی واردات کے میٹھے تجربے اُسے حیران کر رہے ہوں۔ گذشتہ کتنے سالوں سے میں نے اُس کی آنکھوں کی یہ حیرانی کم ہوتے نہیں دیکھی۔ بلکہ اب اُس حیرت نے بے قراری کا روپ لے لیا ہے۔ بے چینی جو ایک مضبوط حصار توڑنے کی جدوجہد کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ کیا ایسا لمحہ اُس کی زندگی میں آ چکا ہے۔ کیا اُس کی شاعری کا دائرہ ہاتھ کے کنگن سے نکل کر کسی اور وسعت کی جانب سفر کرنے کو تیار ہو چکا ہے۔ یہ وہ پہلا سوال تھا جو اِس کتاب کو کھولنے سے پہلے میں نے اپنے آپ سے کیا لیکن ہر لحہ لمس کی گفتگو، سانسوں کی مہک، بانہوں میں سما جانے کی آسودگی، آنچلوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور آنکھوں کے سحر میں رچی شاعری کرنے والا شخص اس گرداب سے نکلے گا تو کہیں راستہ نہ بھول جائے، وہ اضطراب اور بے چینی جو اُس کی شاعری میں انگاروں کی طرح دہکتے ہوئے لفظوں کی طرح روشن نظر آتی ہے کسی راکھ میں تبدیل نہ ہو جائے جس میں دبی چنگاری کو عشق کی آگ میں بدلنا مشکل ہو جائے۔ یہ دوسرا سوال تھا جو میرے سامنے تھا۔ وقت یہ دونوں سوال ہر ایسے تخلیق کار کے سامنے ایک عرصے کے بعد ضرور لا کھڑا کرتا ہے جس کی تخلیق کی آبیاری میٹھے میٹھے عشق کی ٹھنڈی ہواؤں اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے اچانک اُمڈ آنے والی محبت کی موسلا دھار بارش نے کی ہو۔ وصی شاہ یوں لگتا ہے اس بارش میں مدتوں نہایا ہے۔ اسی لیے اُسے جب ملو، جہاں ملو اور جس حال میں ملو اُس کا چہرہ ایسے دھلا دھلایا اور صاف شفاف نظر آتا ہے جس پر زمانے کی گرد جمنے ہی نہیں پائی۔ لیکن دونوں سوال تو اپنی جگہ قائم ہیں اور اُس کی یہ کتاب جس وصی شاہ کو سامنے لے کر آئی ہے وہ یوں لگتا ہے جوانی کی محبت کی کششِ ثقل سے آزاد ہونے کی تگ و دو میں مصروف ہے لیکن کیا کریں اس سے مضبوط کششِ ثقل تو کسی نے آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔ وہ کہیں اِس مدار سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو کہیں یہ کشش اُسے واپس کھینچ لاتی ہے۔ مدار سے باہر نکلنے کے لمحے ملاحظہ کیجئے۔

جس سے بندھے تھے دونوں وہ غم نہیں رہے ہیں
تم، تم نہیں رہے ہو، ہم، ہم نہیں رہے ہیں
فکرِ معاش نے تو جذبوں کو روند ڈالا
عاشق وگرنہ ہم بھی کچھ کم نہیں رہے ہیں

....

تتلیاں نوچنے کا جرم کیا ہے جس نے
وہ مرے شہر کا سلطان بھی ہو سکتا ہے

اب کسی اور سمت دیکھتا ہوں
اب مرا آسماں نہیں ہو تم

....

وضع داری میں ترا ذکر کیا کرتا ہوں
ورنہ اب دل میں تری یاد کہاں آتی ہے

آپ کو اس رنگ کے کئی شعر ایسے ملیں گے جس میں ایک طویل محبت کے موسم کی اکتاہٹ ہے۔ ایک عمر کے مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہونے کی حیرت ہے۔ گزرے وقت کی مٹھاس اور چاہت کا درد ہے، اُسی کنج میں گزرے دنوں کا موسم بہار ہے جس پر اردگرد بدلتی دنیا، دکھ، المیے اور کرب جبراً ایک خزاں مسلط کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ خزاں وصی شاہ کی مرضی اور منشا کے خلاف ہے۔ اُسے یہ پت جھڑ کا موسم بالکل اچھا نہیں لگتا۔ وہ اپنے اشعار میں بار بار اس کا ذکر تو کرتا ہے لیکن اُس کی تخلیق کا محور آج بھی زلف و رخسار ہے، لمس ہے، مسحور کر دینے والی آنکھیں ہیں اور ساری عمر پر محیط محبت کا بادل ہے جو اُس کے اشعار پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

درد کوئی نہ چھو سکے گا مجھے
آ گیا ہوں میں تیری بانہوں میں
جو ملا ہو گیا وہ گرد یوں
کیا فسوں ہے تری نگاہوں میں

....

جو دو بھنور ترے گالوں پہ رقص کرتے تھے
دل آج بھی انہی طغیانیوں میں رہتا ہے

....

تیرے لمس کا جادو بھی کیسا جادو ہے
جس کو چھو لے اُس کو صندل کر دیتا ہے

....

تمہاری آنکھوں کو دیکھ کر یہ یقیں ہوا ہے
بدن کے سارے جمال آنکھوں میں آ گئے ہیں

یہ وہ اشعار ہیں جن کی حدت اور تپش وصی شاہ کی شخصیت کا وہ طوفان ہے جس نے آج تک اُسے شاعری پر مجبور کیا ہے۔ آپ کو یہ طوفان اس کتاب میں ایک گردباد کی طرح ملے گا جس کی تیز گردش میں اُس کی شاعری کا بے قابو جن محبت کی تال پر رقص کر رہا ہے اور اُسی کے وجد سے یہ گردباد برپا ہے۔ البتہ کہیں کہیں وہ سانس لینے کے لیے رکتا ہے تو اُسے غمِ زمانہ بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ اردگرد پھیلی دنیا کے المیے، کرب، دکھ

آلام اور مصیبتیں بھی یاد آ جاتی ہیں، انسانوں کی منافقت، سنگدلی، محرومی بھی اُسے لمحہ بھر کو بے چین کر دیتی ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے اِس وقفے میں جب چاروں اور دیکھتا ہے تو پھر Third world جیسی نظم تخلیق کرتا ہے۔

روز گلیوں میں کٹے جاتے ہیں میرے بازو
دیکھ فرقوں میں بٹے جاتے ہیں میرے بازو
نت نئے ظلم کو سہتے ہوئے اور جیتے ہوئے
دیکھ وہ نیم برہنہ کسی معذور کی لاش
دیکھ ابھری ہے وہ آواز کہیں ماتم کی

اور پھر وہ کہہ اٹھتا ہے

اب تو بے معنی ہیں رشتے سبھی بندھن جاناں
کیسے پہناؤں ترے ہاتھ میں کنگن جاناں

لیکن یہ لمحۂ مختصر بہت جلد بیت جاتا ہے اور وصی شاہ جس نے کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو محبت کی خواہش کی کششِ ثقل سے آزاد کر لیا تھا وہ بڑے زور سے اُسے واپس کھینچ لیتی ہے۔ گردباد میں رقص کرتا شاعری کا جن زور سے وجد میں آ جاتا ہے اور وہ کہہ اٹھتا ہے "جی میں آتا ہے کوئی تازہ محبت کر لیں" لیکن لگتا ہے وصی شاہ کوئی تازہ محبت نہیں کرتا۔ نہ اُس میں اس کی اہلیت ہے۔ وہ تو بس ایک ہی محبت کے اثر میں گرفتار ہے۔ پتا نہیں عین عالمِ شباب میں کی گئی محبت میں وہ اتنی پاکیزگی اور طہارت کہاں سے لے آیا کہ اُسے کسی کو یاد کرنے سے پہلے وضو کرنا پڑتا ہے اور حجرِ اسود اور غلافِ کعبہ کو چھو کر وہاں اپنی انگلیوں کی پوروں سے اپنا اور اُس کا نام تحریر کرنا پڑتا ہے۔ ایسے لوگ تازہ محبتیں نہیں کیا کرتے۔ بس ایک محبت کی خوشبو میں ڈوبے عمر بھر رقص کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میرے دو سوال تو پھر باقی رہ گئے۔ یہ سوال میرے ہی نہیں وصی شاہ کے سامنے بھی ہیں اور وہ اِس وقت اُسی جنگ کا شکار ہے۔ وہ اس کششِ ثقل سے آزاد ہونا چاہتا ہے لیکن خلا کی وسعتوں میں بھٹکنا نہیں چاہتا۔ اُسے کوئی دوسرا مدار چاہیے۔ اس کششِ ثقل سے بڑی مسحور کن مقناطیسیت جو اُسے اپنے مدار میں کھینچ لے اور پھر اُسے یاد تک نہ رہے وہ کبھی کسی اور زمین، کسی اور دنیائے محبت کا اسیر تھا۔ وہ اُس مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جائے، اُس کی روشنی میں نہاتا چلا جائے، ارتقاء کی بلندیاں طے کرتا ہوا۔ وارث شاہ نے تو ایسے لوگوں کا مسئلہ ہی حل کر دیا جو ازل سے محبت کرنے والا دل لے کر پیدا ہوتے ہیں۔

وارث شاہ حقیقت دی لین لذت
پہلے چکھ کے لون مجازیاں دے

اوریا مقبول جان

لاہور
۱۵ اکتوبر ۲۰۰۸ء

رس گھولتا ہوا شاعر......وصی شاہ

وصی شاہ کی شاعری اور وصی شاہ کا نام ہمارے عہد کے کانوں میں رس گھول رہا ہے اور لاکھوں نوخیز دلوں میں ہلچل برپا کیے ہوئے ہے۔ جذباتی اور فنکارانہ اثر انگیزی کا ایسا احوال کم کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی نے اس کے لیے ایک الگ منظر نامہ ترتیب دے لیا ہے جس کی خوشبوئیں، نیرنگیاں اور نغمگی کے اظہار میں وصی شاہ کا شاداب اور روشن چہرہ ابھرتا اور جگمگاتا ہے۔ تو جوان نسل کے اس ہیرو کے لیے ایسا قابلِ رشک قبول عام اپنی الگ معنویت رکھتا ہے۔ اس کی ادبی پیش رفت میں اس کی شاعری اور اس کی کتابوں کے بڑی تعداد میں ایڈیشنز کا چھپنا اور لاکھوں کی تعداد میں چاہنے والوں تک پہنچنا بہ ظاہر نمایاں اسباب ہیں مگر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کسی پروگرام یا شعوری کوشش سے ایسے مقصد کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔ اپنے کام سے لوگ مشہور و معروف تو ہو سکتے ہیں لیکن مقبولیت، محبوبیت اور قبول عام کے درجہ میں آنے کے لیے سارا معاملہ اور سارا سلسلہ منجانب اللہ ہے۔ اور توفیق و تائید اس کی جانب سے مرحمت کی جاتی ہے۔ رب کریم کا کیسا نظام ہے کہ وہ بے تاثیر الفاظ کو تاثیر عطا کر سکتا ہے۔ بات میں اعتبار پیدا کرتا ہے اور اعتماد کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ وصی شاہ کے لیے حق تعالیٰ کا یہ انعام ایسا ہے کہ اُسے ہر دم شکر گزاری کے جذبے سے معمور رہنا چاہیے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اس افتخار کے ساتھ ہی آزمائش کے سلسلے بھی ہیں جو اس کی بھرپور توجہ چاہتے ہیں۔

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وصی شاہ کی شخصیت، مزاج اور ذہنی پس منظر پہ نگاہ ڈالنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ شاعری گویائی اور تخلیقی نمود کا ایک سلسلۂ جاریہ ہے جس میں نسلوں کے درمیان ضروری ہم آہنگی و ربط ایک اہم جز ہے۔ شعوری اور اکتسابی کوششوں کے ساتھ ساتھ اپنے عہد اور اپنے پیش روں سے نئی نسل از خود بھی بہت کچھ سیکھتی چلی جاتی ہے۔ اس میں رد و قبول کے مرحلے بھی ہوتے ہیں۔ نئی نسل کے بہت سے شعراء جب ان مراحل سے گزرتے ہیں تو اپنے آپ کو اپنے پیش روں سے مختلف ظاہر کرنے کے لیے شعوری کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھیں اُس نسل سے کچھ نہیں پہنچا۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے ارادی طور پر کچھ حاصل نہ کیا ہو لیکن ہر عہد لازماً آئندہ زمانے کو کچھ نہ کچھ فکری طور پر ضرور سونپتا ہے۔ میں اور میری نسل کے لوگ اس معاملے کو سنجیدگی اور بردباری سے لیتے ہیں اور نئی نسل کے شعراء کی جائز اور روا تحسین بھی کرتے ہیں جو ہم پر فرض اور قرض رہتی ہے۔ روشن سوچ اور تابندہ مستقبل کی جانب پیش رفت میں دراصل اس پرانی نسل کی کامیابی اور اطمینان بھی مضمر ہے۔

رد و قبول کے جن مراحل کا میں نے ذکر کیا ہے اس حوالے سے وصی شاہ اپنے ہمعصروں میں بڑی حد تک مختلف ہے۔ وہ ایک شائستہ، حلیم الطبع، ذہین اور معاشرت کے آداب سے واقف شخصیت ہے۔ اس کی تربیتِ ذات میں جذبات کے اظہار میں ابھار کے ساتھ نمایاں سہار بھی ہے جن کی آمیزش نے زندگی کے معاملات میں اس کے رویہ کو اعتبار بخشا ہے۔ وہ اپنے پیش روں کا ادب بھی کرتا ہے۔ ان سے کچھ سیکھنے کا اعتراف بھی اور بھرپور اختلاف کا سلیقہ بھی اسے آتا ہے ان حوالوں سے میں وصی شاہ کو اہمیت دیتا ہوں اور اسے پسند بھی کرتا ہوں۔

شاعری کے حوالے سے وصی شاہ کی پہچان ایک رومان پرور فضا کی تخلیق ہے۔ اس کے اشعار کچے جذبوں کی اتھل پتھل میں کچھ دلنشیں اثرات مرتب کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ اثر انگیزی نظم اور غزل میں یکساں طور پر ابھرتی ہے اور دلوں کو چھوتی ہے۔ اس تازہ مجموعۂ کلام میں بھی جس کو سرسری طور پر پڑھنے کے بعد میں یہ تاثرات قلمبند کر رہا ہوں ویسی ہی مانوس اور دلپذیر فضا موجود ہے مثلاً ان اشعار پر نظر ڈالیے تو آپ بھی میرے ہمنوا ہو جائیں گے:

ایک معصوم تقدس میں بھگویا ہوا لمس
کتنا پاکیزہ ہے احساس میں دھویا ہوا لمس
یہ ترے جسم کی خوشبو کا سنہرا احساس
جس طرح چاند کے ہالے میں پرویا ہوا لمس

....

چاند نکلے تو مرا جسم مہک اٹھتا ہے
روح میں اتری ہوئی تازہ محبت کی طرح

....

تیری یادوں کی ''اگر بتیاں'' جل اٹھتے ہی
ہم تری یاد کی خوشبوؤں سے بھر جاتے ہیں

....

حُسن ہو پھر بھی محبت میں بدل جاؤ گی
تم مرے عشق کی حدت سے پگھل جاؤ گی

....

میں تمھیں اپنا آپ سونپتا ہوں
مجھ کو رکھ کر نہ بھول جانا کہیں

....

سُر میں آ جائے گا جیون ترے آ جانے سے
ترے آنے سے کسی تال میں آ جاؤں گا میں
دیکھ کر اُس کو مجھے یاد کرے گی دنیا
ایک دن اُس کے خدوخال میں آ جاؤں گا میں

....

مذکورہ چند اشعار جو اثر انگیزی اور دلبستگی کا احساس لیے ہوئے ہیں وہ وصی شاہ کا اپنا اور خاص اپنا منظر نامہ ہے اس کے طرزِ احساس کی گہری چھاپ ان اشعار میں چہرہ نمائی کرتی ہے۔ مگر اس کی تازہ شاعری کا عمومی مطالعہ یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ وصی شاہ کے یہاں ایک سنجیدہ روی اور حقیقت پسندانہ میلان بہت مثبت طور پر ابھرتا نظر آتا ہے اور اس کی شاعری کو نمو پذیر اور بارآور بنا رہا ہے۔ حقیقت پسندانہ سوچ اس کے تجربوں سے ہم آہنگ ہو کر شعر میں معنویت کی سطح کو بہتر بناتی نظر آتی ہے۔ ذیل میں دیے گئے چند اشعار شاید میری بات کی وضاحت کر سکیں

ایک جادو گری تو تھی تجھ میں
میں بھی کچھ دن ترے اثر میں رہا

....

وضعداری میں ترا ذکر کیا کرتا ہوں
ورنہ اب دل میں تری یاد کہاں آتی ہے

....

چومنا کیا اسے آنکھوں سے لگانا کیسا
پھول جو کوٹ سے گر جائے اٹھانا کیسا

....

یہ جو اک شخص تجھے دیکھ کے روشن ہے بہت
بجھ بھی سکتا ہے یہ ویران بھی ہو سکتا ہے

....

میں محسوس کرتا ہوں کہ اسی منظر نامے کے پس منظر سے ایک نئی کیفیت وصی شاہ کی شاعری میں اب نمایاں طور پر در آئی ہے۔ عشق اور عشق کی حدت، درد کی باہیں، اداس آنکھیں اور بطونِ ذات میں دھیرے دھیرے نمو پانے والا ملال اور اندر ہی اندر رو لینے اور گریہ کر لینے کا احوال وصی شاہ کی شاعری کو قابلِ توجہ بنا رہا ہے:

ہے کوئی جھانکنے والا اداس آنکھوں میں
یہ آنکھیں جن کے لبوں پر کوئی سوال نہیں

....

جس سے بندھے تھے دونوں وہ غم نہیں رہے ہیں
تم تم نہیں رہے ہو ہم ہم نہیں رہے ہیں

....

درد کوئی نہ چھو سکے گا مجھے
آ گیا ہوں میں تیری بانہوں میں

....

سامنے تو ہے تو ہم دل میں بھی رو سکتے ہیں
یوں کریں ہم تجھے باتوں میں لگا کر رو لیں

....

آنکھوں کے راستے سے ترے درد بہہ گئے
افسوس یہ خزانے سنبھالے نہ جا سکے

....

عشق کے باب میں کچھ یوں ہے تمہارا میرا
فائدے سارے تمہارے ہیں خسارا میرا

....

جتنی خوشیاں ہیں وہ رکھ لو مری جانب سے وصی
میری آنکھوں میں چھپا نم مجھے واپس کر دو

....

اب کسی سے بھی محبت نہیں کر پاتا ہے
مار کر خود کو جو اک شخص بچایا میں نے

....

وصی شاہ کے اس تازہ مجموعۂ کلام میں مختصر اور پُر تاثیر نظموں کی کمی نہیں۔ فکر اور اظہار کی بہت خوبصورت آمیزش نے نظموں کی کشش میں اضافہ کیا ہے۔ اس کی ایک نظم "صدیوں سے روشن ایک لمس" کمال کی نظم ہے اور میرے خیال میں اسے کتاب کا سرنامہ ہونا چاہیے۔

غارِ حرا کی دیواروں کو
چھو کر یوں محسوس ہوا ہے
جیسے مجھ میں اقراء، اقراء
کی آوازیں گونج اٹھی ہوں
غارِ حرا کی دیواروں کو چھو کر آقاؐ
علم کی پیاس بجھی بھی ہے
اور
بڑھ بھی گئی ہے

وصی شاہ محبت کا شاعر ہے۔ غزل اور نظم میں اس کے تجربے اور احساسات بھرپور طور پر سامنے آتے اور داد پاتے رہتے ہیں لیکن تازہ نظموں میں "محبت آخرش کیا ہے" ایک اچھی نظم کہلائی جا سکتی ہے چند لائنیں دیکھئے:

میں شاعر ہوں تو اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں
محبت آخرش ہے کیا؟
وصی میں ہنس کے کہتا ہوں
کسی پیاسے کو اپنے حصے کا پانی پلانا بھی محبت ہے
بھنور میں ڈوبتے کو ساحلوں تک لے کے جانا بھی محبت ہے
کبھی ہم راز سارے کھول سکتے ہوں مگر پھر بھی
کسی کی بے بسی کو دیکھ کر خاموش رہ جانا محبت ہے
کسی کے واسطے جبراً ہی ہونٹوں پر ہنسی لانا
زبردستی ہی مسکانا محبت ہے

وصی شاہ کی نظموں میں پھیلاؤ نہیں ہے ایک سمیٹ ہے مگر ایسے کہ فکری خدوخال مناسب دروبست کے ساتھ سامنے آ جاتے ہیں۔ ہیرے فروخت کرنے والے De Beers کے شوروم کے حوالے سے ایک اور حسین اور دلگیر نظم ہے:

ہیروں کے شوروم پہ جاناں
تم نے یہ اک بار کہا تھا

اصل کی اتنی پرکھ ہے تم کو
چھوٹے بنا بس دیکھ کے ان کے
کیرٹ تک بتلا سکتی ہو
لیکن جاناں
سچے ہیرے کی تم پھر بھی
کرنہ سکیں پہچان
اور میری ہیروں سے بڑھ کر
اصلی، سچی قیمتی چاہت کو بھی تم نے
کر ڈالا قربان
اصلی ہیرے جانچنے والی
تم نکلیں نادان

کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کئی نہایت اچھی اور خوبصورت نظمیں نظر سے گزریں۔ اے عشقا، مونولوگ، حفظِ ماتقدم، تکمیل، عشق، نکاح، میرے ہو کے رہو اور زندگی آپ کو اپنی جانب کھینچیں گی۔ نظم زندگی میں نظم سے لپٹی ایک کہانی تھان کے جیسے کھلتی ہے آدم نے جیون کا سوت کا تا اور تقدیروں کی سولی جیسی کھاڈی پر کھینچا، تانا اور بُنا۔ یہ مختصر نظم اسی کا تاثر ہے۔ ایک نظم Nostalgia بھی ہے۔ وصی شاہ اپنا بچپن تلاش کرتے ہیں اور ہم اپنی اپنی یادوں میں کھو جاتے ہیں۔ انھیں نظموں میں وصی شاہ اپنے ذاتی جذبوں کے حصار سے باہر تیسری دنیا کی تباہ حال انسانی آبادیوں کا نوحہ گر بھی ہے:

دیکھ میں تیسری دنیا کا ہوں مفلس شہری
میرا ہر پل نئے قرضوں میں دبا جاتا ہے
دیکھ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ان حلقوں کو
دیکھ فرقوں میں بٹے جاتے ہیں میرے بازو
روز گلیوں میں کٹے کرتے ہیں میرے بازو
درد اتنا ہے کہ تھم جاتی ہے دھڑکن جاناں
آگ برساتا ہوا آتا ہے ساون جاناں
کیسے پہناؤں تیرے ہاتھ میں کنگن جاناں

وصی شاہ [illegible] ایک خوشی سی محسوس ہوتی ہے۔ اب اس کی تازہ شاعری پڑھ کر بھی دل خوش ہوا۔ کم فرصتی کا عالم فی الوقت [illegible] زیادہ لکھنے کی مہلت نہیں دے رہا۔ سو وصی شاہ کے لیے دعائیں اور نیک تمنائیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر) پیرزادہ قاسم
وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی

اُردو شاعری کا فخر

وصی کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب اس کے اندر کا شاعر ابھی گھٹنوں کے بل چلتا تھا اور ہم اس کی حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے اسے سمجھایا کرتے تھے کہ تم اپنی بیوہ ماں کا واحد سہارا ہو۔ اس کی امنگوں کا محور و مرکز ہو۔ اپنی تعلیم پر توجہ دو یا ورثے میں ملا ہوا بزنس چلاؤ۔ تمھارے اندر جو شاعر ہمک رہا ہے۔ اسے تھپک کر گہری نیند سلا دو لیکن کیا کہیے کہ اس کے اندر کا شاعر بہت ڈھیٹ تھا۔ تمام تر حوصلہ شکنی اور سہارا نہ ہونے کے باوجود وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ مجھ سمیت دوستوں کا خیال تھا کہ بھلے ہم جتنی بھی حوصلہ شکنی کرتے رہیں وصی اپنے اندر کے شاعر کی بہت حوصلہ افزائی کرتا ہے اور کسی دن کوئی گل کھلائے گا۔ دوستوں کا اندیشہ غلط ثابت نہ ہوا اور نظمیں، غزلیں کہتے کہتے ایک دن وصی نے یہ شعر سُنایا۔

تمھیں بھلانا ہی اوّل تو دسترس میں نہیں
جو اختیار بھی ہوتا تو کیا بھلا دیتے

مجھے آج تک یاد ہے کہ یہ شعر سن کر محفل واہ واہ اور سبحان اللہ کی آوازوں سے بڑی دیر گونجتی رہی۔ اس محفل میں کم از کم بیسیوں مرتبہ یہ شعر وصی سے فرمائش کر کے سنا گیا۔ اُس دن ہمیں احساس ہوا کہ وصی مکمل طور پر اپنے اندر کے شاعر کا "معمول" بن چکا ہے اور اس کی اپنی پہچان اب ختم ہوگئی ہے۔ یہ اس شاعر کے حوالے سے جانا اور پہچانا جائے گا۔

پھر وصی لاہور چلا گیا۔ پہلے کالج آف کامرس میں داخلہ لیا۔ بی۔ کام میں یونیورسٹی بھر میں اوّل رہا۔ یہیں پہلی دفعہ صنفِ مخالف کی محبت نے اس کے دل میں جا کی۔ (اس کی شاعری میں کیمپس کا ذکر اسی محبت کا شاخسانہ ہے) یہیں سے اس کی شاعری نے وہ رنگ پکڑا جس کا ایک عالم دیوانہ ہے۔ پھر پی ٹی وی ڈرامہ "آہن" اس کے بعد وصی نے مڑ کے نہیں دیکھا۔ چہکتی ہوئی غزلیں اور نظمیں کہتا رہا۔ انھیں "آنکھیں بھیگ جاتی ہیں" کی شکل دے دی...... یہ کتاب کیا چھپی کہ ایک زلزلہ آ گیا...... ایک کے بعد دوسرا ایڈیشن سینکڑوں ایڈیشن چھپے۔ کتاب لاکھوں کی تعداد میں پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں پہنچی۔ نوجوانوں نے اس پوری کتاب کو یوں یاد کیا جیسے یہ کوئی مقدس کتاب ہو۔ یہی کامیابی دوسری کتاب "مجھے صندل کر دو" کو بھی نصیب ہوئی۔

وصی شاہ کی شاعری پہ الزام ہے کہ یہ ٹین ایجرز کی شاعری ہے۔ (یہ الزام تو نقاد...... احمد فراز پر بھی لگاتے رہے) میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وصی پر یہ الزام لگانے والوں نے اس کو پڑھنے کی زحمت ہی نہیں کی اور ادبی بددیانتی کا ثبوت دیا ورنہ ایسے زندہ شعر کوئی کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔

قلم ہو تیغ ہو تیشہ کہ ڈھال مت چھینو
کبھی کسی سے کسی کا کمال مت چھینو

....

یا تو مری بینائی پہ ہے خوف مسلط
یا نہر کے پانی میں شجر کانپ رہا ہے

....

زندگی اب کے مرا نام نہ شامل کرنا
گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہوگا

....

مسئلہ ہوں تو نگاہیں نہ چراؤ مجھ سے
اپنی چاہت سے توجہ سے مجھے حل کر دو

....

جہاں جہاں ہے مری دشمنی سبب میں ہوں
جہاں جہاں مرا احترام تم سے ہے

یہ اور اس طرح کے سینکڑوں اشعار اور کئی نظموں میں موضوعات کا تنوع اور سوچ کی گہرائی قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ اور معنی کا ایک جہان کھولتی چلی جاتی ہے اور اگر وقتی طور پر اس بات کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس میں برائی کیا ہے؟ کیا ٹین ایجرز کی بات کرنا کوئی جرم ہے؟ یہی تو وہ عمر ہے جب جذبات اپنی خالص ترین حالت میں ہوتے ہیں۔ اس عمر کے لوگ بھی سوچتے ہیں۔ یہ بھی دنیا کو اپنے حواسِ خمسہ سے محسوس کرتے ہیں۔ اپنے بارے میں جان لینے کی خواہش دل میں موجزن ہوتی ہے۔ جذبے مچلتے ہیں۔ کچھ کرنے کی لگن مضطرب رکھتی ہے۔ یہ بہت کچھ دیکھتے ہیں۔ کچھ سمجھ لیتے ہیں، کچھ سمجھ نہیں پاتے، جو سمجھ میں نہیں آتا وہ کسی سے پوچھ نہیں سکتے اور جو سمجھ میں آ جاتا ہے وہ بیان نہیں کر پاتے...... وصی نے دراصل یہی باتیں بیان کر دی ہیں۔ جو لوگ وصی کی شاعری پر یہ اعتراض کرتے ہیں وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا زندگی کے کسی حصے میں ان کے دل میں یہ خیال نہیں آیا۔

گنگناتے ہوئے آنچل کی ہوا دے مجھ کو
انگلیاں پھیر کے بالوں میں سُلا دے مجھ کو
پھر تمھیں روز سنواریں تمھیں بڑھتا دیکھیں
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو

ساری رات کی جاگی آنکھیں
کالج میں کیا پڑھتی ہوں گی

دو کے بجائے چائے بنائی ہے ایک کپ

افسوس آج تو بھی فراموش ہو گیا

وہ کہہ رہی تھی سمندر نہیں ہیں آنکھیں ہیں
میں ان میں ڈوب گیا اعتبار کرتے ہوئے

بس وصی نے یہ کہا کہ ان جذبوں کو زبان دے دی اور اس کے اظہار میں جو شائستگی ہے وہ علیحدہ سے داد کی حق دار ہے۔

وصی کی ابتدائی شاعری میں عشق کی بھڑکتی ہوئی آگ نہیں ملتی۔ وہ نہ تو عشق کی آگ میں خود جلتا ہے اور نہ مدمقابل کو جلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے جذبے کو جو نام دیا جا سکتا ہے وہ "رومانس" ہے۔ یہ وہی جذبہ ہے جس سے ایک خاص عمر میں ہر شخص آشنا ہوتا ہے...... وصی اس رومانس میں بہت مخلص ہے۔ وہ نہایت خلوص سے کسی کا ہو جانا چاہتا ہے اور کسی کو اپنا لینا چاہتا ہے۔ وصی اور اس کی محبوبہ کے درمیان کوئی ظالم سماج نہیں اور نہ ہی کوئی رقیب دھم سے آن کودتا ہے...... طرفین ایک دوسرے میں مگن ہیں اور انھیں ایک دوسرے کو پا لینے کا یقین ہے...... وصی کی محبوبہ بھی کوئی بے وفا یا ہرجائی قسم کی مخلوق نہیں...... یہ بہت رکھ رکھاؤ سے محبت کرتی ہے...... مشرقی لڑکی ہے اس لیے کسی ایک کا ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ اگرچہ اسے یقین ہے کہ اس کا محبوب اسے مل جائے گا لیکن کبھی کبھی اندیشے بھی سر اٹھاتے ہیں...... یہ اندیشے اسے سماج سے ٹکرا جانے پر نہیں اکساتے بلکہ وہ منتیں مانتی ہے۔ مزاروں پر جا کر دعائیں کرتی ہے اور سال کے سب سے طویل دن کا روزہ رکھتی ہے۔ یہاں وصی کی شخصیت کا بہت مثبت پہلو بھی واضح ہوتا ہے...... وصی نجیب الطرفین سیّد ہے اسے اپنی خاندانی نجابت کا احساس ہے۔ مشرقی روایات اس کے اندر رچی بسی ہیں۔ وہ تصور کے موقلم سے جس محبوبہ کی تصویر بناتا ہے۔ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے جو اپنے محبوب کو پا لینے کے لیے روایات سے ٹکرا جانے کی بجائے سہارے تلاش کرتی ہے۔

وصی کا اردو شاعری میں کیا مقام ہے اس کا تعین تو نقاد کریں گے لیکن یہ بات تو ضرور ہے کہ اس نے نہ صرف اردو زبان اور شاعری کی بہت خدمت کی ہے بلکہ وہ اردو شاعری کا فخر ہے۔ وصی نے اس دور میں شاعری کی جب نوجوان نسل کتاب سے دور ہو رہی تھی۔ اس نسل کے پاس بے شمار دلچسپیاں تھیں لیکن ان دلچسپیوں میں کتاب کہیں نہیں تھی...... انٹرنیٹ کا ظہور ہو چکا تھا...... الیکٹرانک میڈیا کا دھما کا کان کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ علم بھی کتاب کی بجائے دیگر ذرائع سے حاصل کیا جاتا تھا اور شعر سے شغف تو نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا...... ایسے میں وصی نے نوجوانوں کے ہاتھ میں کتاب تھما دی...... وصی نے چونکہ نوجوانوں کی بات کی سو نوجوان نسل نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہم نے دیکھا کہ پہلی دفعہ اس ذہین طبقے نے کسی فلمی ہیرو یا کھلاڑی کی بجائے ایک شاعر کو دیوتا کا درجہ دیا۔ اس کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھائیں اور اس کے سامنے اپنی آٹوگراف بک پھیلائی۔ یقیناً وصی سے پہلے بھی ایسے شاعر گزرے ہیں جنھیں اپنی زندگی میں جو پذیرائی ملی وہ گلیمر کی حدوں کو چھوتی ہے لیکن اگر اسے گستاخی نہ سمجھا جائے تو یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ کوئی شاعر وصی جتنا گلیمرائز نہ ہو سکا۔ یہ بات صرف وصی کے لیے ہی

نہیں ہر اس شخص کے لیے قابلِ فخر ہے جو قرطاس وخامہ سے تعلق رکھتا ہے۔ شعراء کو تو یہ شکوہ تھا کہ خوبانِ شہر ایک شاعر کی بجائے آٹوگراف لینے کے لیے کرکٹرز کے گرد جھمگٹا بنائے کھڑی رہتی ہیں۔ وصی نے وہ محرومیاں ختم کر کے نہ صرف اردو شاعری بلکہ شاعروں کا مان بھی بڑھایا۔

اب کچھ بات وصی کی زیرِ نظر کتاب کے بارے میں ہو جائے...... وصی اس کتاب میں پچھلی کتابوں کی نسبت تھوڑا مختلف نظر آئے گا اس کا مخصوص رنگ تو قائم ہے لیکن اب داخلیت کے ساتھ ساتھ خارجیت بھی اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہے۔ اس کتاب میں غمِ جاناں کے ساتھ ساتھ غمِ دنیا بھی ہے۔ خارجی عوامل نے وصی کو چونکایا ہے اور اس نے ان عوامل کے ردِعمل کو اپنے مخصوص سادہ اور دل نشین انداز میں ڈھال دیا ہے۔ بعض فلسفیانہ اور گھمبیر موضوعات کو بھی جس سادگی سے نظموں اور غزلوں میں پرویا ہے وہ وصی ہی کا خاصہ ہے۔ زمانے کی ناہمواریوں پر احتجاج تو ہے لیکن وہ نہیں جو ترقی پسندوں کے یہاں پایا جاتا ہے۔

وصی کی شاعری کے بارے میں یہ بات ذمہ داری سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ ارتقا پذیر ہے۔ اس نئی کتاب میں پڑھنے والوں کو بہت کچھ نیا ملے گا...... اس کتاب میں وصی کا ماضی اور ثقافت سے بڑا گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ محبت بھی زیادہ واضح ہو کر ابھری ہے اور رومانس عشق کے قریب پہنچ گیا ہے اور کیوں نہ پہنچے؟ اب اس کے اندر کا شاعر بھی تو بڑا ہو گیا ہے۔

طارق کلیم

۲۳ ستمبر ۲۰۰۸ء

O

تم مرے درد بھی، غم بھی، مرے آلام بھی تم
تم مرا چین ہو جاناں، مرا آرام بھی تم

کامیابی کو نہیں ہم نے تمھیں چاہا ہے
ہم تمھارے ہیں بھلے ہوگئے ناکام بھی تم

میں مسیحا ہوں اگر، میرا وظیفہ تم ہو
میں ہوں مجرم تو مری جاں مرا الزام بھی تم

کیا ضرورت ہے مجھے درد کے مے خانوں کی
تمہی نشہ، تمہی پیمانہ، مرا جام بھی تم

مختلف حیلوں بہانوں سے مجھے سوچتے ہو
ایک دن کُھل کے پکارو گے مرا نام بھی تم

یہ سیاست بھی عجب کھیل ہے بھولے پنچھی
یہاں صیاد بھی تم ہو، تو تہِ دام بھی تم

جس سے روشن مرا آنگن ہے تمہی ہو وہ چراغ
سچ تو یہ ہے کہ تمہی گھر ہو، دَر و بام بھی تم

رات دن تم کو فقط تم کو مجھے سوچنا ہے
میری فُرصت بھی تمہی اور مرا کام بھی تم

محبت آخرش ہے کیا......؟

میں شاعر ہوں تو اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں
اس حسیں اسرار کے بارے
''بتائیں تو بھلا کیا ہے......؟''
''محبت آخرش ہے کیا......؟''
وصّی میں ہنس کے کہتا ہوں
کسی پیاسے کو اپنے حصے کا پانی پلانا بھی

محبت ہے

بھنور میں ڈوبتے کو ساحلوں تک لے کے جانا بھی

محبت ہے

کسی کے واسطے ننھی سی قربانی، محبت ہے

کہیں ہم، راز سارے کھول سکتے ہوں مگر پھر بھی

کسی کی بے بسی کو دیکھ کر خاموش رہ جانا

محبت ہے

ہو دل میں درد، ویرانی مگر پھر بھی

کسی کے واسطے جبراً ہی ہونٹوں پر ہنسی لانا

زبردستی ہی مسکانا

محبت ہے

کہیں بارش میں سہمے، بھیگتے بلّی کے بچے کو

ذرا سی دیر کو گھر لے کے آنا بھی

محبت ہے

کوئی چڑیا جو کمرے میں بھٹکتی آن نکلی ہو

تو اُس چڑیا کو

پنکھے بند کر کے راستہ باہر کا دِکھلانا

محبت ہے

کسی کے زخم سہلانا

کسی روتے ہوئے کے دل کو بہلانا محبت ہے

کہ میٹھا بول، میٹھی بات، میٹھے لفظ، سب کیا ہے؟

محبت ہے

محبت ایک ہی بس ایک ہی انسان کی خاطر

مگن رہنا

ہمہ وقت اُس کی باتوں، خوشبوؤں میں

ڈولنا کب ہے

محبت صرف اُس کی زلف کے بل کھولنا کب ہے
محبت کے ہزاروں رنگ
لاکھوں استعارے ہیں
کسی بھی رنگ میں ہو یہ
مجھے اپنا بناتی ہے
یہ میرے دل کو بھاتی ہے

جس سے بندھے تھے دونوں، وہ غم نہیں رہے ہیں
تم، تم نہیں رہے ہو، ہم، ہم نہیں رہے ہیں

چاہت کے گیت میں ہے کوئی کمی یقیناً
آخر ترے بھرے سُر کیوں جم نہیں رہے ہیں

رو رو کے تیرے دُکھ میں صحرا سا ہو گیا ہوں
اب آنکھ کے کنارے بھی نم نہیں رہے ہیں

لمحوں کے پیڑ پر ہیں کچھ پھول درد و غم کے
جیون میں اب خوشی کے موسم نہیں رہے ہیں

تو اور سمت میں ہے، میں اور سمت میں ہوں
اُلفت کے راستے اب باہم نہیں رہے ہیں

فکرِ معاش نے تو جذبوں کو روند ڈالا
عاشق وگرنہ ہم بھی کچھ کم نہیں رہے ہیں

راہوں میں اب کھڑا ہوں، پھیلائے ہاتھ خالی
غم تھے مرا اثاثہ اور غم نہیں رہے ہیں

تم ہی تھے میری دنیا، تم ہی مری محبت
تم جو نہیں تو دونوں عالم نہیں رہے ہیں

جب کوئی نیک کام کرتے ہیں
جانِ من! تیرے نام کرتے ہیں

تیرے چہرے سے دھوپ لیتے ہیں
تیری زُلفوں میں شام کرتے ہیں

کس قدر تنگ ہوں محبت میں
لوگ کیسے یہ کام کرتے ہیں

اُن کی پیشانیاں چمکتی ہیں
جو محبت کو عام کرتے ہیں

دل کے دالان میں سجا کر یاد
جشن کا اہتمام کرتے ہیں

سوچتے ہیں تجھے وضو کر کے
یوں ترا احترام کرتے ہیں

ہم سے ہی ابتدا ہوئی جاناں
ہم ہی اب اختتام کرتے ہیں

Nostalgia..........

یہیں پہ تھا مرا بچپن یہیں کہیں پر تھا
یہیں ہنسا تھا
یہیں پر کہیں پہ رویا تھا
یہیں درختوں کے سائے میں
تھک کے سویا تھا
تھے رتجگے مری آنکھوں میں، یار بیلی تھے
یہیں پہ عشق کے موسم دھمال ڈھالتے تھے
یہیں پہ کھیل تھے میرے یہیں گھروندے تھے
یہیں پہ چوڑیوں سے نام کاڑھ لیتے تھے
یہیں پہ تتلیوں سے رنگ چھان لیتے تھے

یہیں پہ جگنوؤں سے اپنی بات چلتی تھی
کوئی ہنسی تھی جو ہر وقت ساتھ چلتی تھی
یہیں پہ تھا وہ لڑکپن، یہیں کہیں پر تھا

یہیں پہ ماں مجھے سینے لگائے رکھتی تھی
یہیں پہ پاپا نے اک بار کان کھینچے تھے
یہیں بنایا تھا اُستاد نے مجھے مُرغا
شرارت اور نے کی تھی سزا مجھے تھی ملی
میں کتنی دیر کھڑا دھوپ میں رہا تھا
تمام یار مرے، خوش مری سزا پر تھے
مرا وجود تھے کمبخت، کتنے پاجی تھے
یہیں پہ تھا وہ لڑکپن یہیں کہیں پر تھا

یہیں کہیں پہ تو رنجیں اُبھر رہی تھیں مری
انہی جھروکوں سے کچھ چاند جھانکتے تھے مجھے
یہیں کہیں پہ وحشی خواب دیکھنا سیکھا
اور اپنے لوگوں کے بارے میں سوچنا سیکھا
میں جو بھی کچھ ہوں، یہیں ہوں
اسی جگہ سے ہوں
یہیں پہ تھا مرا بچپن یہیں کہیں پر تھا

O

چاہے تو کام میں لا، چاہے نکّما کر دے
میں ترا ہوں تری مرضی مجھے جیسا کر دے

تیرا بیمار ہوں ازلوں سے، نہ مر جاؤں کہیں
اک نظر دیکھ لے مجھ کو مجھے اچھا کر دے

تجھ سے بس اتنی ہی خواہش مرے مالک کی ہے
اُس کے دل کو میں لبھا لوں مجھے ایسا کر دے

جو ترا ہوگا زمانے سے وہ کٹ جائے گا
تُو تو جس شخص کو چاہے اُسے تنہا کر دے

ایسا نور آئے کہ دنیا مرا چہرہ دیکھے
تُو جو پلکوں کا مرے چہرے پہ سایہ کر دے

وہ خدا تجھ سے فقیروں کی تو سُن لیتا ہے
اُس سے کہنا کہ مجھے عشق میں رُسوا کر دے

مجھ کو دیتا ہے وہ عزت، یہ کرم ہے اُس کا
تیرے بس میں ہو اگر، تُو مجھے رُسوا کر دے

عشق............

عشق ہوا میں
عشق گھٹا میں
عشق کنک کے ہر خوشے میں
کُو کُو کرتی امبوا جی سے پیار جتاتی کوئل میں
ٹک ٹک کر کے چلتی گاؤں کی سات سریلی چکی میں
لمبی سی باریک سی پگڈنڈی میں عشق
بیل کے کانوں سے لپٹی ہوئی
رنگ برنگ جھنڈی میں عشق

گھر کے دروازے پر لٹکی دل جیسی اُس کنڈی میں
جس میں کسی سسّی کا، ہیر کا، جگنی کا
دل اٹکا ہو
رنگ برنگے بنٹوں میں
کِکلی میں
گُلی ڈنڈے میں
چھت پہ پھیلی بان کی چارپائی میں عشق
بوڑھی، جھریوں والی، گالیاں دیتی، روٹیاں چھنڈتی
شیدے کی مائی میں عشق
بھٹی والی کے دانوں میں
درد کے ساتھ جو بُھن جاتے ہیں
کاگا جی کی بولی میں
جو پردیسی کے آون کا کہہ کر
دانا دُنکا چُن جاتے ہیں
روپ روپ میں، روم روم میں، رنگ رنگ میں

عشق رچا ہے
دریا کے پانی میں دیکھو
ساتھ گھڑے کے سوہنی کے سنگ تیر رہا ہے
ہیر کے گجرے میں، جُوڑے میں
عشق کلائی کے چُوڑے میں
عشق گلوں میں عشق سفر میں
عشق سجن کی مست نظر میں
عشق دے رنگلے رنگ او بیبا
عشق دے رنگلے رنگ
عشق دے وَکھرے رنگ او ماہی
عشق دے وَکھرے رنگ

تین شعر

درد کی دل پہ حکومت تھی، کہاں تھا اُس وقت
جب مجھے تیری ضرورت تھی، کہاں تھا اُس وقت

موت کے سُکھ میں چلا آیا مجھے دیکھنے کو
زندہ رہنے کی مصیبت تھی، کہاں تھا اُس وقت

دل کے دریاؤں میں اب ریت ہے صحراؤں کی
جب مجھے تجھ سے محبت تھی، کہاں تھا اُس وقت

کاش......

ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے تھے درخت
چاندنی پاؤں پڑ رہی تھی مرے
راستوں پر سکوت طاری تھا
شب کی آنکھوں سے اشک جاری تھے

جگنوؤں نے ہزار منت کی
تتلیاں رنگ سے لبھانے لگیں
خوشبوئیں محفلیں سجانے لگیں
پھول خوشیاں بکھیرنے میں مگن

مجھ کو آواز دے رہا تھا گگن
سوچتا ہوں یہ گھر کو جاتے ہوئے
سارا ماحول روکتا تھا مجھے
سارے موسم مجھے بلاتے تھے
جب کہ ان سب سے دوستی تھی مری
میں کسی حال میں نہیں ٹھہرا
میں کسی طور بھی نہیں مانا

سوچتا ہوں یہ گھر کو جاتے ہوئے
تم سے رشتہ نہیں مگر پھر بھی
تم اگر روکتیں تو رک جاتا
تم اگر روکتیں تو رک جاتا

اے عشقا......!

تم اک پارس پتھر ہو
جس کو چھولو
سونا کردو
سونے جیسا سُندر کردو
میں آوارہ، میں ناکارہ
میں بے کار
کاش قلم ہوتا ہاتھوں میں یا ہوتی تلوار
یا پھر ہاتھ ہُنر آ لگتا میں ہوتا فن کار

اک احسان کرو ناں مجھ پر
اپنے ہونٹ دھرو ناں مجھ پر
اے عشقا! اے پارس پتھر
میں بے کل ہوں، میں پیتل ہوں
چھو کر مجھ کو
سونا کردو
سونے جیسا سچا کردو
اے عشقا! اے پارس پتھر
اے عشقا......!

جب بھی وہ شخص وصی مجھ سے خفا ہو جائے
اک سُنامی مرے سینے میں بپا ہو جائے

دل میں پھر کچھ بھی نہیں ہوگا خلاؤں کے سوا
تو کسی روز اگر مجھ سے جدا ہو جائے

وہ بہت رکھتا ہے چاہت کی نمازوں کا حساب
وہ تو اِک سجدہ نہ بخشے جو قضا ہو جائے

تھپکیاں دے کے سُلاتی ہے تری یاد ہمیں
نیند جس رات بھی آنکھوں سے خفا ہو جائے

یہ طریقہ ہے محبت کی عبادت کا وصّی
اُس کو چھو لینے سے اِک رُکن ادا ہو جائے

Scent............

مہکی مہکی سی ہیں آنکھیں
اُس لمحے سے میری
خواب میں تم نے
ہونٹ رکھے ہیں
جب سے جلتی آنکھوں پر...........

ایک شعر

جو دو بھنور ترے گالوں پہ رقص کرتے تھے
دل آج بھی انہی طغیانیوں میں رہتا ہے

عشق کے باب میں کچھ یوں ہے تمہارا، میرا
فائدے سارے تمہارے ہیں خسارہ، میرا

سُکھ جزیروں پہ اُترتے ہوئے اُس نے یہ کہا
غم کے دریاؤں کے ساحل کا کنارہ میرا

گر پیادہ بھی کوئی جیت کے نکلا تو ترا
اور بازی میں کوئی شاہ بھی ہارا، میرا

دل بھروسا جو بہت کرنے لگا ہے اُس پر
مجھ کو اک روز ڈبوئے گا، سہارا میرا

جیتنے والے سبھی تیرے طرفدار ہوئے
اور اس کھیل میں جو بھی کوئی ہارا، میرا

O

جو اپنی عمر سے آگے نکل رہی ہو تم
تمھیں خبر ہے جوانی میں ڈھل رہی ہو تم

کبھی تمھیں بھی تو دعویٰ تھا سرد مہری کا
کسی کے لمس کو پا کر پگھل رہی ہو تم

بتاؤ کیوں نہیں روکا تھا جانے والے کو
اب ایک عمر سے کیوں ہاتھ مل رہی ہو تم

جو والدین نے تم سے کہا وہ مان لیا
اب اپنی آگ میں چُپ چاپ جل رہی ہو تم

ہمارے دل کا کھلونا تمہی نے توڑا تھا
اب اس کھلونے کی خاطر مچل رہی ہو تم

تمھیں گماں ہے کہ میں جانتا نہیں کچھ بھی
مجھے خبر ہے کہ رستہ بدل رہی ہو تم

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے......"

جی میں آتا ہے کوئی تازہ محبت کر لیں
رات اُن مرمریں ہاتھوں کی، لکیریں دیکھیں
اُس کے ماتھے پہ تقدس بھرے بوسے دے کر
اُس کی پلکوں پہ سجے خواب کو تعبیر کریں
کچھ نئے شکوے، ادائیں نئی تحریر کریں

ہوں نئی طرز کے جھگڑے، ہوں الگ پیار کے ڈھنگ
نئی باتوں کے تاثر، نئے جذبات کے رنگ
جی میں آتا ہے کوئی تازہ محبت کر لیں

اُس کی عادات میں ڈھلتے ہوئے عادت بدلیں
اُس کی خاطر کہیں نفرت کہیں چاہت بدلیں
اُس کے ہوتے ہوئے منزل کا سفر بدلے گا
جیت کا، ہار کا، ہر ایک ہُنر بدلے گا
جی میں آتا ہے نئی شوخ کے پہلو سے لگیں
جی میں آتا ہے کوئی تازہ محبت کر لیں

پھر نئی زلف کے سائے میں گزاریں راتیں
پھر نئی آنکھ میں معصوم سے پیماں باندھیں
پھر نیا جسم نئی خو، نئے انداز کے گیت
پھر نئی چال پہ غزلیں کہیں، نظمیں لکھیں

پھر نئے ہونٹوں کو رُخسار کو تصویر کریں
جسم کے زاویے جدت میں بھگو کر دیکھیں
جی میں آتا ہے کوئی تازہ محبت کر لیں
روح میں اُترے کسی تازہ محبت کی پھوار
وہ مگر تُو، وہ مگر تُو، وہ مگر تُو مرے یار

Design Defect

میرے سورج......!

تری زمین ہوں میں

کوئی موسم ہو تیرے ، گرد مجھے

گھومنا ہے

مِرا تو کام ہی تیرا طواف کرنا ہے............

O

اب کوئی یار ہے نہ بیلی ہے
زندگی درد کی سہیلی ہے

اُٹھنے جوگا نہیں ہے تیرے بعد
دل نے تکلیف ایسی جھیلی ہے

شام سے اس لیے محبت ہے
تیری یادوں کے ساتھ کھیلی ہے

مُضطرب کیوں نہ ہو شبِ ہجراں
درد کی گود میں اکیلی ہے

کوئی بتلائے خواب کا مفہوم
رات ہے، سانپ ہے، چنبیلی ہے

ان لکیروں میں تُو نہیں تو وصؔی
کتنی ویران یہ ہتھیلی ہے

Enough....!

خوف کر کچھ خدا کا
مجھ سے تُو
زندگی.....!
کتنے جھوٹ بولے گی.....؟

ایک شعر

میری اقدار نے روکے رکھا
ورنہ فرعون تو ہے مجھ میں بھی

O

ہم ترے ہجر میں اندر سے بکھر جاتے ہیں
زندہ لگتے ہیں مگر اصل میں مر جاتے ہیں

جب کبھی بولتا ہے ہنس کے کسی اور سے تُو
کتنے خنجر مرے سینے میں اُتر جاتے ہیں

تیری یادوں کی "اگر بتیاں" جل اٹھتے ہی
ہم ترے درد کی خوشبوؤں سے بھر جاتے ہیں

ہم سے آوارہ پھرا کرتے ہیں گلیوں میں کہیں
شام ہوتے ہی وحشی لوگ تو گھر جاتے ہیں

کون کہتا ہے، شرارت سے تمھیں دیکھتے ہیں
جانِ من ہم تو محبت سے تمھیں دیکھتے ہیں

تم کو معلوم نہیں تم ہو مقدس کتنے
دیکھتے ہیں تو عقیدت سے تمھیں دیکھتے ہیں

دیکھ کے تم کو کسی اور کی یاد آتی ہے
ہم کسی اور ہی نسبت سے تمھیں دیکھتے ہیں

ساتھ غیروں کے نظر آؤ تو جی کڑھتا ہے
کیا کہیں کیسی اذیت سے تمھیں دیکھتے ہیں

جھونکنی پڑتی ہے یہ جان عذابوں میں ہمیں
کون کہتا ہے سہولت سے تمھیں دیکھتے ہیں

جانے کیا لکھتے ہو کیا سوچتے رہتے ہو وصی
رات کو جب بھی کبھی چھت سے تمھیں دیکھتے ہیں

ہ

کیا ہے تنہا یوں [illegible] بے چین مجھ کو اور بے قرار تو بھی
مجھے بھی ہے دوستوں کی خواہش، اکیلے پن کا شکار تو بھی

مری بھی آنکھیں لگی ہیں مدت سے چوکھٹوں پہ اے جانِ جاناں
ترے بھی لہجے میں [illegible] ہیں سراپا اک انتظار تو بھی

یہ تیرے رستوں سے کانٹے چنتے مری تو پوریں ہی چھد گئی ہیں
کبھی تو میرے نصیب کی زلف اپنے ہاتھوں سنوار تو بھی

ترے لیے آنکھ میں اُبھرتی ہر ایک خواہش کا خوں کیا کہ
کبھی تو اپنی خوشی کا لمحہ کرے گا ہم پر نثار تو بھی

بُجھا بُجھا سا ہوں جانِ جاناں خموش ہوں تجھ سے دور رہ کر
مری جدائی میں بھول بیٹھا ہے، اپنے سولہ سنگھار تو بھی

Sun Set Point

جھیل کے آخری کنارے پر

وہ جہاں شام ڈوب جاتی ہے

آخری بار آ کے مل جاؤ

آخری بار جو آؤ ملنے

تم اُسی رنگ کے کپڑے پہنو

جس کو اب سے کئی برسوں پہلے

پہنے آئی تھیں، یہ کہنے مجھ سے

دل کی گہرائی سے چاہت ہے تمہیں

بے شبہ مجھ سے محبت ہے تمہیں

تم کو معلوم نہیں ہے شاید

وہ جو کپڑوں کے سبھی رنگ تھے اے جانِ جہاں

میرے جیون کے شب و روز میں در آئے تھے

آخری بار جو آؤ

تو اُسی رنگ کے کپڑے پہنو

اور اُسی ڈھنگ سے دیکھو مجھ کو

جس میں امیدیں تھیں چاؤ تھے

محبت کے جہاں بستے تھے

آخری بار جو آؤ، وہی تحفہ لاؤ

وہ جو اُس پہلی ملاقات پہ تم لائی تھیں

اپنی چاہت کا مہکتا تحفہ

نرم ہونٹوں کا دہکتا تحفہ

آخری بار کچھ اس طرح سے ملنے آؤ

کہ کہیں آنکھ میں، لب پر

کوئی ویرانی نہ ہو

میں بھی ویسے ہی ملوں گا اُنہی جذبوں کو لیے
جن سے اس دل کے کبھی بندھن تھے
جو کبھی مجھ میں بہت روشن تھے
جھیل کے آخری کنارے پر
وہ جہاں شام ڈوب جاتی ہے
آخری بار جو مل کر مجھے واپس لوٹو
تو کچھ اس طرح سے لوٹو جاناں
کتنی ہی صدیوں کے جذبات میں آباد رہے
مرتے دَم تک یہ ملاقات ہمیں یاد رہے

ایک شعر

وہ جسے نیند کہا کرتے ہیں سب، چین کی نیند
وہ ترے بعد کبھی آنکھ میں اُتری ہی نہیں

12 مئی 2007ء

اشک گرتے رہے، ڈھول بجتا رہا
لوگ مرتے رہے، ڈھول بجتا رہا

رونقیں لگ گئیں، روشنی بڑھ گئی
خواب جلتے رہے، ڈھول بجتا رہا

کتنے لاچار تھے، کتنے بے بس تھے ہم
ہاتھ ملتے رہے، ڈھول بجتا رہا

رقص میں تھے مسیحا مرے دم بہ دم
دل تڑپتے رہے، ڈھول بجتا رہا

اولاد

میری ماں
میں جس کی خاطر
ہنستے ہنستے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں
جس کی ڈانٹ اور جس کی مار
اثاثہ ہے میرے جیون کا
وہ ماں بھی
میرے بچوں کو ڈانٹے تو
میں چُپ رہتا ہوں

کچھ نہیں کہتا
کہہ نہیں سکتا
ماں ہے میری
لیکن سچ ہے میری ماں بھی
جس کی خاطر
ہنستے ہنستے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں
میرے بچوں کو ڈانٹے تو
جانے کیوں اچھا نہیں لگتا......

o

جہاں بھر میں کسی کو مرا خیال نہیں
تمھارے بعد یہاں میرا کوئی حال نہیں

جو مر چکے ہیں تمھیں اُن کی فکر ہے لیکن
جو مر رہے ہیں تمھیں اُن کا کچھ ملال نہیں

میں سب زمانوں کی تاریخ پڑھ چکا ہوں مگر
جہان بھر میں ترّی ایک بھی مثال نہیں

ملا ہے جو بھی، ملا، ماں تری دعاؤں سے
قسم ہے، اس میں مرا ذرہ بھر کمال نہیں

مگر وہ عام سی لڑکی ہی ڈھونڈتا ہے یہ دل
نگر میں جبکہ حسینوں کا کوئی کال نہیں

تمھارے نام پہ نکلے ہیں، سرخرو کرنا
نہیں ہے تیغ کوئی پاس کوئی ڈھال نہیں

ہر ایک ظلم سہیں گے بدن کے جلنے تک
اگرچہ ہم میں کوئی حضرتِ بلالؓ نہیں

تمھارے حُسن کی ہیبت سبھی پہ طاری ہے
تمھارے آگے کسی کی کوئی مجال نہیں

تمھارے ہوتے ہر اک لمحہ ہر صدی تھی مری
تمھارے بعد کوئی سال میرا سال نہیں

ہے کوئی جھانکنے والا اُداس آنکھوں میں
یہ آنکھیں جن کے لبوں پر کوئی سوال نہیں

یہ کس کے غم میں تری آنکھ آج بھر آئی
اگر میں پوچھ ہی بیٹھا ہوں تجھ سے، ٹال نہیں

ہر اک کمال کو آخر زوال دیکھنا ہے
ہے ایک عشق کا سورج جسے زوال نہیں

وہ تیرا یار پرانا ہے کوئی بات اس کی
اگر بری بھی لگے تو اُسے اچھال نہیں

تمھارے سرد رویے نے مشکلیں حل کیں
تمھیں بھلانے میں میرا کوئی کمال نہیں

سب اپنی اپنی اناؤں کی قید میں ہیں جبھی
یہاں کسی کو کسی کا ذرا خیال نہیں

ٹھیس لگے گی ارمانوں کو، دھیرے ...
میز پہ رکھنا پیمانوں کو دھیرے سے

اُن پلکوں کا جھپکی لینا یاد رہے
بند کرو جب مے خانوں کو دھیرے سے

یار کی باتیں درد بڑھائے دیتی ہیں
آج پلانا دیوانوں کو دھیرے سے

آگ سے جب تم کھیلوگے، جل جاؤ گے
کان میں کہہ دو پروانوں کو، دھیرے سے

جشن کے عالم میں تو ان کو بھول نہ جا
گلے لگا لے ویرانوں کو دھیرے سے

بے صبری عشاق کا شیوہ کب ٹھہرا
کرنا چاک گریبانوں کو دھیرے سے

اس محفل کے اپنے ہیں آداب وصی
باہر کر دو فرزانوں کو دھیرے سے

دل......

ٹشو پیپر کی طرح لوگ سمجھتے ہیں اسے
ایک پل ساتھ رکھا
پھینک دیا......

ایک شعر

تم کو معلوم تو ہو گی یہ کرامت اپنی
سنگِ مرمر پہ دھرو پاؤں تو مخمل کر دو

Monolouge.........!

میں نے اس دل سے کچھ سوال کیے؟

دل نے مجھ سے کہا مرے معصوم

چاند دن میں نہیں نکل سکتا

رات میں کام کیا ہے سورج کا

دور تک بے کراں سمندر کا

چلتا پانی رُکا نہیں کرتا

کوئی صحرا بہا نہیں کرتا

تم تو شاعر ہو کچھ بھی کہہ لو مگر

تتلیاں رات میں چمکتی نہیں

دن میں جگنو کھلا نہیں کرتا

خار کو خار بن کے رہنا ہے

ایک آزار بن کے رہنا ہے

ریت میں پھول کھل نہیں سکتے

کوئی بادل جلا نہیں کرتا

دھند میں روشنی نہیں ہوتی

دشت میں راستہ نہیں ملتا

میں نے لیکچر طویل سن کے وصی
پھر کبھی دل سے یہ نہیں پوچھا
وہ تجھے یاد کیوں نہیں کرتا
تو اُسے بھول کیوں نہیں جاتا
تو اُسے بھول کیوں نہیں جاتا

تین شعر

جو بھی دیوار ہے رستے میں گرا کر رولیں
آؤ اک دوجے کو سینے سے لگا کر رولیں

سامنے تُو ہے تو ہم دل میں بھی رو سکتے ہیں
یوں کریں ہم تجھے باتوں میں لگا کر رولیں

تیرے آنے سے یہ ناراض رہا کرتے ہیں
جی میں ہے آج ہر اک غم کو منا کر رولیں

LAST E-MAIL

یہ نام لے کے ترا پوچھتے ہیں کیا کیا کچھ
میں ڈر رہی ہوں کہیں مجھ سے "ہاں" نہ ہو جائے

ازل سے......!

محبت کی فضاؤں کے
خلا
کیوں پُر نہیں ہوتے
ازل سے......؟

O

تری جبیں پہ لکھا تھا کہ تُو بھلا دے گا
سو میں بھی بھانپ گیا تھا کہ تُو بھلا دے گا

ہر ایک شخص سے لڑتا رہا میں تیرے لیے
ہر اک نے مجھ سے کہا تھا کہ تُو بھلا دے گا

یہ تیری آنکھوں پہ حلقے سے پڑ گئے کیسے
مجھے تو تُو نے کہا تھا کہ تُو بھلا دے گا

نکال لایا ہے الزام پھر پرانے تُو
یہ ہم نے طے بھی کیا تھا کہ تُو بھلا دے گا

کچھ اس لیے بھی کہ اک تل تھا تیری آنکھوں میں
مجھے تو تب بھی پتا تھا کہ تُو بھلا دے گا

مت کہیو کہ یہ قافلۂ نوحہ گراں ہے
ماحول کی زردی ہے جو چہروں پہ عیاں ہے

ہر روم مرا چیخ رہا ہے شبِ فرقت
ایسے میں مرے یار ترا پیار کہاں ہے

بدلی ہے نہ بدلے گی تری سرد نگاہی
جلتے ہوئے سینے میں وہی آہ و فغاں ہے

شرارت......!

جس کروٹ لیٹے تھے ہم تم
چاند تمھاری پیشانی کو چوم رہا تھا
دیکھو جاناں......!
چاند وہاں سے ہجرت کر کے
پیروں تک آ پہنچا ہے
سو جاؤ اب
باقی باتیں کل کر لیں گے
میرا کیا ہے
لیکن چاند کو سونا ہوگا

ہجر کا ناگ تو پتھر گھائل کر دیتا ہے
سونے جیسے شخص کو پیتل کر دیتا ہے

میرے عشق میں شاید کوئی کمی ہوئی ہو
تیرا حُسن تو اب بھی پاگل کر دیتا ہے

ایسی لذت کہیں نہیں ملتی، شاید وہ
اپنا پیار بھی چائے میں حل کر دیتا ہے

دل میرا ویران ہوا تو حیرت کیسی
ہجر کا زہر تو دریا کو تھل کر دیتا ہے

مجھ ضدی کو رب بھی راضی کر نہ پائے
لیکن تیری آنکھ کا کاجل کر دیتا ہے

تیرے لمس کا جادو بھی کیسا جادو ہے
جس کو چھو لے اُس کو صندل کر دیتا ہے

تیرا چہرہ ہر چہرے پر چھا جاتا ہے
یہ منظر ہر منظر اوجھل کر دیتا ہے

آنکھ کے ریگستان کو تیری یاد کا بادل
چھو جائے تو پل میں جل تھل کر دیتا ہے

دوشعر

منکشف ہوتی ہے ہر روز کوئی بات نئی
روز کُھلتا ہے ترا پیار بھی سازش کی طرح

نرم ٹہنی پہ نئے پھول کی صورت ہوں وصی
آ مجھے توڑ کے رکھ دے کسی بارش کی طرح

شک

موبائل کی بیل بجتی ہے

اور تم جاناں......!

گھر کے اُس کونے میں، جس میں

سب سے بڑھ کر

سب سے واضح

Signals فون پر آتے ہیں

اُس کونے میں کھڑے ہوئے بھی

کیوں کہتے ہو

''صاف نہیں ہے کچھ آواز''

پھر باہر یا چھت پر جا کر

گھنٹوں گھنٹوں

کس سے باتیں کرتے ہو...... تم

کون ہے وہ..........!

ایک معصوم تقدس میں بھگویا ہُوا لمس
کتنا پاکیزہ ہے احساس میں دھویا ہُوا لمس

یہ ترے جسم کی خوشبو کا سنہرا احساس
جس طرح چاند کے ہالے میں پرویا ہُوا لمس

اُس کے ہونٹوں کو میں چھولوں تو گماں ہوتا ہے
جیسے جنت کے گلابوں میں ڈبویا ہُوا لمس

تب کہیں جا کے کُھلی مجھ پہ حسینوں کی زباں
جب شبِ وصل مرے جسم سے گویا ہُوا لمس

جو مری روح میں اترے ہی چلے جاتے ہو
اک نئے رنگ میں ابھرے گا یہ بویا ہُوا لمس

بھینی خوشبو میں بسا وصل میں بھیگا بھیگا
کتنا معصوم ہے پہلو میں یہ سویا ہُوا لمس

تشنگی آن بسی ہے مری پوروں میں وصی
ڈھونڈتا پھرتا ہوں مدت سے میں کھویا ہُوا لمس

میں ترے لب پہ ہوں دیرینہ شکایت کی طرح
یاد رکھا ہے مجھے تو نے عداوت کی طرح

چاند نکلے تو مرا جسم مہک اُٹھتا ہے
روح میں اُتری ہوئی تازہ محبت کی طرح

تیری خاطر تو کوئی جان بھی لے سکتا ہوں
میں نے چاہا ہے تجھے گاؤں کی عزت کی طرح

کُھل رہی ہے مرے دیرینہ مسائل کی گرہ
میرے ماحول میں اُترا ہے وہ برکت کی طرح

اب ترے ہجر میں کچھ لُطف نہیں ہے باقی
اب تجھے یاد بھی کرتے ہیں تو عادت کی طرح

تم مری پہلی محبت تو نہیں ہو لیکن
میں نے چاہا ہے تمھیں پہلی محبت کی طرح

وہ جو آتی ہے تو پھر لوٹ کے جاتی ہی نہیں
تم لپٹ جاؤ کبھی ایسی مصیبت کی طرح

میرے دل میں کوئی معصوم سا بچہ ہے وصیؔ
جو تجھے سوچتا رہتا ہے شرارت کی طرح

Impossible....!

جتنی دعائیں آتی تھیں

سب مانگ لیں ہم نے

جتنے وظیفے یاد تھے سارے

کر بیٹھے ہیں

کئی طرح سے جی دیکھا ہے

کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں

لیکن جاناں......!

کسی بھی صورت

تم میرے ہو کر نہیں دیتے......!

8 اکتوبر 2005

تمنا ہوئی دل میں بیتاب پھر سے

بُنیں بیٹھ کر کچھ نئے خواب پھر سے

پرندوں کی خوابوں کی چہکار بانٹیں

محبت کی، چاہت کی مہکار بانٹیں

چلو درد بانٹیں، چلو پیار بانٹیں

جو تقدیر نے جسم و جاں پر، زمیں پر

اُگائے، بچھائے ہیں زخموں کے کانٹے

انھیں حوصلوں، جذبوں اور ولولوں سے

محبت کی پوروں سے ہم مل کے چھانٹیں

محبت کی چاہت کی مہکار بانٹیں

چلو درد بانٹیں، چلو پیار بانٹیں

ندی بہہ رہی ہے، فضا بہہ رہی ہے

وہ دیکھو تو دریائے کُنہار پر اور

دریائے جہلم پہ امید کی دُھند سرگوشیوں میں

پرندوں کی چہکار سے کہہ رہی ہے

درختوں پہ پھل ہیں، ہمارا یہ کل ہیں

جو مٹھی میں پل ہیں

اِنھی کو بچالیں، اِنھی کو سنبھالیں

چلو عزم و ہمت کی پتوار بانٹیں

چلو درد بانٹیں، چلو پیار بانٹیں

جو سورج بدن میں غروب ہو چکا ہے

اسے یاد رکھ کر

جو سورج نکلنے کو ہے آج کی صبح

چلو اس کی کرنوں کی امید تھامیں

چلو اپنے ذمے کی اینٹوں کو چُن لیں

جو تعمیر کرنی ہے

دیوار بانٹیں

چلو درد بانٹیں، چلو پیار بانٹیں

پرندوں کی، خوابوں کی چہکار بانٹیں

محبت کی چاہت کی مہکار بانٹیں

چلو درد بانٹیں

چلو پیار بانٹیں

دو شعر

دل جو ٹوٹا تو دل کے کونوں سے
تیری میری نشانیاں نکلیں

تُو گیا ہے تو میرے یاروں میں
کیسی کیسی کہانیاں نکلیں

○

چڑھا ہُوا تھا جو دریا اُتر گیا کب کا
تمھارے چاہنے والا تو مَر گیا کب کا

نہ میری روح مِری ہے نہ میرا جسم مِرا
ترا وجود تو مجھ میں اُتر گیا کب کا

وہ ایک شخص جو سب کو سنبھالے رکھتا تھا
تمھیں خبر ہی نہیں ہے بکھر گیا کب کا

تُو جس کے وعدوں کو دل سے لگائے بیٹھا ہے
وہ اپنی بات سے پیارے مکر گیا کب کا

وصیؔ میں عشق میں رو بھی چکا ہوں مر بھی چکا
حُدودِ جسم سے میں تو گزر گیا کب کا

O

مرے نصیب میں پھر یہ بہار ہو کہ نہ ہو
نہ جانے پھر وہ مرا غمگسار ہو کہ نہ ہو

یہی بہت ہے کہ اِک شخص چین پا جائے
بھلے درخت بہت سایہ دار ہو کہ نہ ہو

اسی گماں نے کبھی لوٹنے دیا نہ مجھے
نہ جانے اُس کو مرا انتظار ہو کہ نہ ہو

مگر یہ طے ہے کہ میں اُس کے غم میں رہتا ہوں
مِرے لیے وہ بھلے بیقرار ہو کہ نہ ہو

میں دُھوپ بن نہیں سکتا وصؔی کسی کے لیے
مِرے لیے کوئی ابرِ بہار ہو کہ نہ ہو

تین شعر

محبتوں میں یہی خوف کیوں مُسلط ہے
مِرے سوا بھی کسی سے اُسے محبت ہے

ہمارے دل نے تمھیں ایسا مُحترم جانا
تمھاری یاد کا آنا بھی اِک سعادت ہے

اُسے بھی لوگ وصؔی بھول بھول جاتے ہیں
ہمیں بھی یاد نہ رکھنے کی خُوب عادت ہے

ڈر...........

مجھے اُس سے محبت ہے
مگر کیسے کہوں اُس سے
وہ میری بات کو سنجیدگی سے
کم ہی لیتی ہے
ہر اک پَل مسکرانا
کھلکھلانا
دوستوں پر فقرے کسنا
نِت نئے معصوم منصوبے بنانا

شوخ چنچل ہر گھڑی تازہ شرارت میں بہت مصروف رہتی ہے
مگر اک اور خدشہ بھی ہے جو مجھ کو
مِرے اظہار سے اقرار سے خود رو کے رکھتا ہے
کہ مہکے خواب بُننے کھیلنے کا وقت ہے اُس کا
مِری چاہت
کہیں معصومیت نہ چھین لے اُس کی
سدا سے ہم نے دیکھا ہے
محبت آدمی کو اس قدر سنجیدہ کرتی ہے
کہ پھر محفل، تماشے، کھیل اُس کو بوجھ لگتے ہیں
میں ڈرتا ہوں
کہیں یہ بھولپن اُس کا

یہ ہر پل، چھپانا، مُسکرانا سب
مرے اظہار سے سنجیدگی میں نا بدل جائے
کہیں اُس شوخ کو بھی روگ کوئی، چُپ نہ لگ جائے
مجھے اُس سے محبت ہے
مگر
کیسے کہوں اُس سے

Passionate Belief

ننگے پاؤں سفر کیا اور
بیت اللہ کو سامنے پا کر
حاضر ناظر جان کے رب کو
حجرِ اسود چھو کر میں نے
اپنی اُنگلی کی پوروں سے

کعبے کی دیوار پہ جاناں......!

رب کے نام، وفاؤں کا پیغام لکھا ہے

اپنا تیرا نام لکھا ہے

کیسے کوئی ہم کو جدا اب کر پائے گا

دردِ جدائی اپنی موت ہی مر جائے گا

حفظِ ماتقدم

نئے نئے بہروپ دکھائے

جی بھر کے وہ مجھے ستائے

میرا کیا ہے

میں بنجر ہوں

میری آنکھوں کی یہ پتلی خشک پڑی ہے

کیونکہ میں نے سارے آنسو پی کر

اُس سے عشق کیا تھا......!

دوشعر

چُومنا کیا اُسے آنکھوں سے لگانا کیسا
پھول جو کوٹ سے گر جائے اٹھانا کیسا

اپنے ہونٹوں کی حرارت سے جگاؤ مُجھ کو
یوں صداؤں سے دمِ صُبح جگانا کیسا

O

زر کی ناموس کی رسموں سے بغاوت کر کے
کچھ نہیں پائے گا وہ مجھ سے محبت کر کے

بَین کرتی ہوئی آنکھیں یہ پریشاں زُلفیں
اور کیا چاہتے ہو اُس سے محبت کر کے

پُھول تو پُھول ہیں زخموں کے بھی نخرے ہیں یہاں
ہم نے دیکھا ہے بہت اِن کی عبادت کر کے

جو کسی جبر پہ ہونٹوں کو سِیا کرتے ہیں
ظلم کرتے ہیں وہ ظالم کی حمایت کر کے

دِل کے صحراؤں کی ویرانیاں جاتی ہی نہیں
تیری یادوں نے بھی دیکھا یہاں ہجرت کر کے

وہ مرے ہجر کو بھی کھیل سمجھتا ہے وصیؔ
لوٹ جائے گا کسی روز شرارت کر کے

O

میرے لہجے میں جو آنسو سے اُتر آئے ہیں
کتنے برسوں کے ستم آنکھ میں در آئے ہیں

تم گئے تھے، تو یہ دہلیز نہ دیکھی تھی کبھی
آج تم آئے تو ہم لوٹ کے گھر آئے ہیں

جانے تنبیہہ کہ دھمکی کہ بشارت ہے کوئی
میرے آنگن میں جو ٹوٹے ہوئے پَر آئے ہیں

اب ہمیں خوف ہے جینے کا نہ مَر مٹنے کا
تیری چوکھٹ سے جو آئے ہیں تو، مَر آئے ہیں

ایمان......

وقت چلتا ہی رہا کرتا ہے
رُکتا تو نہیں
لوگ ملتے ہیں
بچھڑ جاتے ہیں
پھر ملتے ہیں
راستے ہاتھ نہیں آتے کبھی
اور کبھی پیروں سے آ کے لپٹ جاتے ہیں

یونہی اک آس سی رہتی ہے ہمیں
ممکن ہے
انہی رستوں پہ اچانک یونہی چلتے چلتے
کل نہیں آج نہیں آج تو کل
دل کی دھرتی پہ کسی روز کھلو گے تم بھی
دل یہ کہتا ہے کہ اک روز ملو گے تم بھی

O

طنز کرتے ہیں جو لوگ اُن کو دِکھانے کے لیے
لوٹ آؤ نا مِرے یار زمانے کے لیے

اِس لیے بھی تِری تصویر جَلا دی میں نے
اور کچھ تھا ہی نہیں دل کو جَلانے کے لیے

تیرے باعث ہی تو سکتے کا ہے عالم طاری
خود کو ناراض کیا تجھ کو منانے کے لیے

آج پھر شام گزاری ہے اُسی جنگل میں
اُن درختوں سے تِرا نام مِٹانے کے لیے

Strange....!

بارہا ایسے لگا

جیسے ترا ہاتھ

میرے بالوں کو چھوا ہو

تو نے کچھ مجھ سے کہا ہو لیکن

رات بھر روٹھا رہا

تو نے منایا ہی نہیں......!

O

چھپتا ہے چاند جس طرح بادل کی اوٹ میں
یوں مسکرا کے چھپ گئی آنچل کی اوٹ میں

میں اس کے دل میں جھانک کے ڈر سا گیا وصی
لگتا تھا کوئی سانپ ہے صندل کی اوٹ میں

سانپ ہی سانپ نظر آتے ہیں خوابوں میں مجھے
زندگی گھیرنے والی ہے عذابوں میں مجھے

ایک تصویر تھی اور وہ بھی کہیں گُم کر دی
عُمر بھر ڈھونڈنا اب اپنی کتابوں میں مجھے

جب سے اُترا ہے ترے درد کا نشہ مجھ میں
لطف آتا نہیں دنیا کی شرابوں میں مجھے

وہ مجھے چھوڑ گیا تھا کسی رنگینی میں
وہ جو اَب ڈھونڈتا رہتا ہے خرابوں میں مجھے

تم نے اِک عُمر کیا ہے نظر انداز وصیؔ
اور اب ڈھونڈتے پھرتے ہو سرابوں میں مجھے

ضرب و تقسیم وصیؔ عشق میں لاحاصل ہے
جانے کیوں کھوجتے رہتے ہو حسابوں میں مجھے

De Beers

جگمگ جگمگ روشن کرتے

ہیروں کے شوروم پہ جاناں!

تم نے یہ اک بار کہا تھا

اصل کی اتنی پرکھ ہے تم کو

چھوٹے بنا بس دیکھ کے ان کے

کیرٹ تک بتلا سکتی ہو

یاد ہے تم کو

تم نے کہا تھا

ہیرے تم کو بے حد Haunt کیا کرتے ہیں

اتنے زیادہ

کہ ان ہیروں کی خاطر تم

کچھ بھی، کچھ بھی کر سکتی ہو

کسی بھی شے کی قربانی دے سکتی ہو تم

اور آخر میں جاناں! تم نے

اپنے کہے کو سچ کر ڈالا

لیکن جاناں!

سچے ہیرے کی تم پھر بھی

کرنہ سکیں پہچان

اور میری ہیروں سے بڑھ کر

اصلی، سچی قیمتی چاہت کو بھی تم نے

کرڈالا قربان

اصلی ہیرے جانچنے والی

تم نکلیں نادان.........!

○

تیری آنکھوں کے حسیں جال میں آ جاؤں گا میں
مجھ کو لگتا ہے ترِی چال میں آ جاؤں گا میں

زندگی بعد ترِے ہونا تھی مشکل لیکن
یہ نہ سوچا تھا کہ اِس حال میں آ جاؤں گا میں

دیکھ کر اُس کو مجھے یاد کرے گی دُنیا
ایک دِن اُس کے خد و خال میں آ جاؤں گا میں

کتنے موسم تھے جو دے کر مجھے طعنے گزرے
تم تو کہتے تھے کہ اِک سال میں آ جاؤں گا میں

سُر میں آ جائے گا جیون ترِے آ جانے سے
تیرے آنے سے کسی تال میں آ جاؤں گا میں

o

دیا دیے سے جلا لوں تو چین آئے مجھے
تمھیں گلے سے لگا لوں تو چین آئے مجھے

محبتوں کے صحیفے ہیں یا عذاب کوئی
ترے خطوط جلا لوں تو چین آئے مجھے

ننھی سی فرمائش

چاند نکلا ہے آؤ
آج کی رات
اتنی باتیں کریں کہ تھک جائیں......!

o

جو کر رہا ہے زمانہ مری سرشت نہیں
کسی کے خواب چرانا مری سرشت نہیں

کروں گا رقص میں شب بھر تمھاری یاد کے ساتھ
اکیلے ہجر منانا مری سرشت نہیں

مرے لیے جو دعاؤں کے پھول چنتا ہو
اُسی پہ انگلی اٹھانا مری سرشت نہیں

میں گھر بُلا کے اُسے سونپ دوں گا اپنا آپ
پَر اُس کے دام میں آنا مری سرشت نہیں

کسی کے زخم پہ مرہم بھلے نہ رکھ پاؤں
کسی کو زخم لگانا مری سرشت نہیں

میں جس کی یاد میں رو رو کے صبح کرتا تھا
اُسی کو دل سے بھلانا مری سرشت نہیں

جو حرف حرف میرے جسم و جاں میں شامل ہیں
وہی خطوط جلانا مری سرشت نہیں

جہاں جہاں میں تجھے ساتھ لے کے گزرا تھا
وہیں پہ لوٹ کے جانا مری سرشت نہیں

جو خار پاؤں میرے چومنے کو ہے بیتاب
وہ خار رہ سے ہٹانا مری سرشت نہیں

میں جب بھی شہر میں آیا تمھارے پاس رہا
کہیں بھی اور ٹھکانا مری سرشت نہیں

نماز پڑھ کے ترے غم گلے لگا لوں گا
اکیلے عید منانا مری سرشت نہیں

ہر ایک آنکھ میں سچائیاں اُنڈیلتا ہوں
کسی کو خواب دکھانا مری سرشت نہیں

جو بے سبب ہی وصیؔ روٹھ کر گیا مجھ سے
اُسی کو جا کے منانا مری سرشت نہیں

میں ساری عُمر جسے پوجتا رہا ہوں وصیؔ
اُسے نظر سے گرانا مری سرشت نہیں

چلو.........

مجھے جنگل پسند آتے ہیں

جانِ من

گھنے جنگل

مِری ان بستیوں، شہروں سے دُور

گھُپ گھنیرے

راز میں ڈوبے ہوئے جنگل

گھنے جنگل

مجھے جنگل پسند آتے ہیں جانِ من گھنے جنگل

[illegible] تا ہے

جو طاقتور ہے حاوی ہے

ہر اک شے پر اُسی کا فیصلہ ہے جو بھی تگڑا ہے

یہ میرے شہر اور یہ بستیاں میری

یہاں طاقت تو چلتی ہی ہے پر

طاقت سے بڑھ کر سازشوں کا حکم چلتا ہے

مجھے جنگل پسند آتے ہیں جانِ من گھنے جنگل

کہ طاقت کا تو اپنا خاص اک انداز ہوتا ہے

زُباں ہوتی ہے اور کچھ ضابطے

اور کچھ اصولوں میں بندھی ہوتی ہے طاقت بھی

مگر سازش

مرے شہروں مری ان بستیوں پر زور ہے جس کا

کہ جس کا سکہ چلتا ہے

وہ سازش ہے

تو اس سازش کا کوئی ضابطہ، آئین یا قانون

اس کا کچھ نہیں ہوتا

کہ سازش اصل میں طاقت سے بھی

بد تر ہے

کمتر ہے

یہی افسوس ہے مجھ کو

مری ان بستیوں پر سازشوں کا حکم چلتا ہے

تبھی تو بستیوں شہروں سے دل بیزار رہتا ہے

مجھے جنگل پسند آتے ہیں

جانِ جاں!

گھنے جنگل......

چلو جنگل کو چلتے ہیں............!

ایک شعر

کتنی سردی ہے پاس کچھ بھی نہیں
آؤ اِک دوسرے کو اوڑھ لیں ہم

o

روشنی اور بہاریں تُمھی رکھ لو جاناں
میرے جگنو مرے موسم مجھے واپس کر دو

میری حسرت مری محرومیاں لوٹا دو مجھے
میرے آنسو مرے ماتم مجھے واپس کر دو

جانے والے سے بس اتنا ہی کہا تھا میں نے
کچھ نہ لوٹاؤ میرے غم مجھے واپس کر دو

کیوں یہ تکرار سی ہونے لگی ''میں'' کی جاناں
وہ جو ہم تم میں تھا، اِک ''ہم'' مجھے واپس کر دو

جتنی خوشیاں ہیں وہ رکھ لو مری جانب سے وصیؔ
میری آنکھوں میں چُھپے نم مجھے واپس کر دو

o

تم وہاں ہو، یہاں نہیں ہو تم
غم ہی غم ہیں جہاں نہیں ہو تم

اَب کسی اور سمت دیکھتا ہوں
اَب مِرا آسماں نہیں ہو تم

عشق زندہ رہے گا میرے بعد
ہاں مگر جاوداں نہیں ہو تم

یہ زمیں، آسماں، ہمارا دل
ہر جگہ ہو، کہاں نہیں ہو تم

تم کڑی دھوپ کا سفر نہ سہی
ہاں مگر سائباں نہیں ہو تم

میری یادیں تمھارے سر پر ہیں
جان من! بے اماں نہیں ہو تم

کس لیے آپ آپ کرتے ہو
مُجھ سے گر بد گماں نہیں ہو تم

Is it me..........!

وقت کی اوٹ سے پہروں، میں کھڑا دیکھتا ہوں

خواب اوڑھے ہوئے یادوں کے ستارے ٹانکے

بکھری زلفوں میں گئے لمحوں کی مہکار لیے

اپنی سانسوں میں کسی درد کی چہکار لیے

اپنی آنکھوں میں سنبھالے ہوئے اشکوں کے دیئے

سُونی پوروں پہ کسی ریشمی حدت کی پُکار

سرد آنکھوں میں سلگتے ہوئے لمحوں کی جلن

نرم پیروں پہ لپٹے ہوئے رستوں کی تھکن

یہ ہر اک شخص سے تم کس کا پتا پوچھتی ہو

جانے کیوں بدلیاں سی ہیں تو گماں ہوتا ہے

تم جسے ڈھونڈتی پھرتی ہو کہیں میں تو نہیں

کیا ہر اک شخص سے تم میرا پتا پوچھتی ہو

وقت کی اوٹ میں پہروں، میں کھڑا سوچتا ہوں

تم جسے ڈھونڈتی پھرتی ہو کہیں میں تو نہیں

مدو جزر

سمندر کب کا پیچھے جا چکا ہے

بس اب ساحل پہ آتی ہے نظر

یادوں کی کائی

درد کی ریت

اور مُردہ سیپیاں

سمندر آرزوؤں، خواہشوں کا جلتے خوابوں کا

ترے چاہت کا بے پایاں سمندر

تو جانے کب کا پیچھے جا چکا ہے

Passionate........

میں جو دن کو بھی کہوں رات، وہ اقرار کرے

مجھ کو حسرت ہے کوئی یوں بھی مجھے پیار کرے

میری خاطر وہ سہے دنیا کے طعنے، دھکے

ننگے پیروں سے وہ صحراؤں کے کانٹے چکھے

مجھ کو پانے کے لئے جُون کے روزے رکھے

میں ہوں دیوانہ، وہ دیوانوں سا اظہار کرے

میں جو دن کو بھی کہوں رات، وہ اقرار کرے

مجھ کو حسرت ہے کوئی یوں بھی مجھے پیار کرے

○

کب نہیں ناز اُٹھائے ہیں تمھارے میں نے
دیکھو آنچل پہ سجائے ہیں ستارے میں نے

وہی لمحات اثاثہ ہیں مرے جیون کا
جو ترے قُرب میں لمحات گزارے میں نے

روز آتے ہیں مجھے یاد ترے ظلم و ستم
روز خنجر کئی سینے میں اُتارے میں نے

ہر بہانہ ترا، آنکھوں میں سجا کر رکھا
اپنے سینے سے لگائے ترے لارے میں نے

میری پوروں سے مہک آتی رہی ہے دن بھر
جب بھی خوابوں میں ترے بال سنوارے میں نے

تیری چوکھٹ پہ کئی بار ہوئی مجھ کو شکست
تیری دہلیز پہ آنسو کئی ہارے میں نے

میری آواز اکیلی ہی پلٹ کر آئی
جب مصیبت میں کبھی یار پکارے میں نے

جاناں......!

جس کو اک بار چھیڑ دیں تو پھر
چین کا ایک پل نہیں ہوتا

کوئی الجبرے کا سوال ہو تم
جو کسی طور حل نہیں ہوتا

دوشعر

جب تک ترے آنچل سے یہ پیمان بندھے ہیں
جاناں! مرے لوٹ آنے کے امکان بندھے ہیں

اُس کو کبھی آتی بھی نہیں ہوگی مری یاد
جس شخص سے ہر لمحہ مرے دھیان بندھے ہیں

منتظر

جتنے اُجلے رنگ جہاں میں بستے ہیں

سب تم پر اچھے لگتے ہیں

جو پہنو جو اوڑھو

تم پر سجتا ہے

جانتی ہو تم

رنگ بہت بے چین رہا کرتے ہیں

کب تم

اوڑھ کے ان کو

نرم ہوا کے ایوانوں کی

سیر کرو گی

چُھو کر جاناں......!

اِن رنگوں کو جیون دو گی

اپنے حُسن کا ساون دو گی

○

تیری ہر بات سے انجان بھی ہو سکتا ہے
دلِ وحشی، دلِ نادان بھی ہو سکتا ہے

ہم جہاں بیٹھ کے تاروں سے تری بات کریں
وہ کسی جسم کا دالان بھی ہو سکتا ہے

یہ جو اک بھیڑیا جنگل میں ہُوا کرتا ہے
کل اِسی بھیس میں انسان بھی ہو سکتا ہے

عین ممکن ہے جسے دل کے بجائے تھاموں
اب کسی شوخ کا دامان بھی ہو سکتا ہے

تتلیاں نوچنے کا جرم کیا ہے جس نے
وہ مرے شہر کا سلطان بھی ہو سکتا ہے

آج دل میں تری یادوں کے دیے جلتے ہیں
کل یہی راستہ سُنسان بھی ہو سکتا ہے

جو تجھے اور کسی کا نہیں ہونے دیتا
یہ مرے عشق کا ایقان بھی ہو سکتا ہے

یہ جو اک شخص تجھے دیکھ کے روشن ہے بہت
بجھ بھی سکتا ہے یہ ویران بھی ہو سکتا ہے

ایک شعر

کبھی ظالم نے سجایا نہ سنوارا مجھ کو
جیسے رہتا ہے کرائے کے مکاں میں کوئی

کہیں جائے اُسے میری دعائیں یاد کرتی ہیں
اُسے کہنا اُسے میری وفائیں یاد کرتی ہیں

میں اکثر آئینے کے سامنے بے چین رہتی ہوں
کسی نے خط میں لکھا ہے، ادائیں یاد کرتی ہیں

اُسے کہنا خزائیں آ گئی ہیں اب تو لوٹ آئے
اُسے کہنا دسمبر کی ہوائیں یاد کرتی ہیں

اُسے کہنا کہ آنکھوں پر گھنی بدلی سی چھائی ہے
جنھیں دل پر برسنا ہے گھٹائیں یاد کرتی ہیں

گیا تھا جب تو میری خواہشیں بھی ساتھ لے جاتا
لہو میں ناچتی کچھ التجائیں یاد کرتی ہیں

Compatibility

تم جس بات پہ ہنستے ہو میں رو پڑتا ہوں
میں جس بات پہ روتا ہوں تم ہنس دیتے ہو
میں جس بات پہ بُجھ جاؤں تم کِھل جاتے ہو
میں جس بات پہ مَرتا ہوں تم جی اُٹھتے ہو
میں جس بات پہ درد میں ڈوبا رہتا ہوں
تم اُس بات پہ روشن روشن لگتے ہو

سوچ رہا ہوں کتنے زیادہ الگ الگ ہیں
تیری میری سوچ کے دھارے
کتنے زیادہ جُدا جُدا ہیں
سوچ رہا ہوں
اتنے مخالف طوفانوں کو سہیں گے کیسے
تم اور میں اک چھت کے نیچے رہیں گے کیسے

جیون کھاڈی

نظم سے لپٹی ایک کہانی
تھان کے جیسے کھلتی جائے
آس اُمید کے اور خواہش کے خواب بھرے دھاگوں سے
بُن کر
رنگ رنگ کی خوشیاں چُن کر
وقت کی کھاڈی پہ آدم نے
جیون کا یہ سُوت بُنا ہے

اور آدم کا اپنا تن خود
تقدیروں کی سُولی جیسی کھاڈی اُوپر
کھنچا تنا ہے
اس کے بدن کی رگیں ہیں ریشمی دھاگوں جیسی
اس کی حالت دن میں ٹوٹتے خوابوں جیسی
لمحہ لمحہ، جیسے جیسے جیون کا یہ تھان
فضا میں کھلتا جائے
دُکھ اور سُکھ کا ہر احساس کا رنگ
ہوا میں ملتا جائے
نظم سے لپٹی ایک کہانی قطرہ قطرہ جیون بن کر
برف کے جیسے گُھلتی جائے
نظم سے لپٹی ایک کہانی تھان کے جیسے کُھلتی جائے
نظم سے لپٹی ایک کہانی......!

o

میں کہیں بھی کسی نگر میں رہا
تیرے آسیب کے اثر میں رہا

وہ بھی پاگل ہُوا جُدا ہو کر
عمر بھر میں بھی پھر سفر میں رہا

ایک جادوگری تو تھی تجھ میں
میں بھی کچھ دن ترے اثر میں رہا

بھیگتا ڈوبتا رہا دل میں
تیرا چہرہ مِری نظر میں رہا

پیش کش مان لی زمانے نے
اور اک میں، اگر مگر میں رہا

سنو......!

میں تمھیں اپنا آپ سونپتا ہوں
مجھ کو رکھ کر نہ بھول جانا کہیں

دو شعر

تن کے چلتا ہوں میں تمھارے سبب
تم مرا فخر ہو، غرور ہو تم

میں سیہ رات کا اندھیرا ہوں
تم اُجالا ہو، نور و نور ہو تم

○

جو روح میں گڑے تھے وہ بھالے نہیں گئے
آنکھوں سے تیرے خواب نِکالے نہیں گئے

دِل نے ہزار بار اِسے صاف کر دیا
لیکن تمھاری یاد کے جالے نہیں گئے

چوکھٹ تمھاری دیکھ لو ویران ہو گئی
لیکن تمھارے چاہنے والے نہیں گئے

ہونٹوں کو گفتگو کی اجازت تو ہے مگر
جو روح پر پڑے تھے وہ تالے نہیں گئے

آنکھوں کے راستے سے ترے درد بہہ گئے
افسوس یہ خزانے سنبھالے نہیں گئے

اُس نے تو میری روح تک ٹھنڈک اُتار دی
لیکن مِرے وجود کے چھالے نہیں گئے

تکمیل

وہ کہتی تھی
تم ہنس کر
کوئی بات کرو تو
اپنا آپ
مکمل لگنے لگ جاتا ہے
میں نے بھی محسوس کیا کہ

اُس سے باتیں کر کے میں بھی
اور سے اور ہُوا جاتا ہوں
اور پھر اِک دن
جانے کیسے
مجھ سے باتیں کر کے اپنا آپ مکمل کرنے والی
مجھے ادھورا چھوڑ گئی ہے

o

ہائے وہ لمحہ کہ جب تجھ سے شناسائی ہوئی
پھر جو ہونی تھی مری جان وہ رسوائی ہوئی

اپنی ناکام محبت کا نہ یوں چرچا کرو
زخم بڑھ جائے گا گر اس کی پذیرائی ہوئی

پھر زمانے میں کسی نے اُسے دیکھا نہ سُنا
تیرے دربار میں جس شخص کی شنوائی ہوئی

جب تری یاد کو کوئی بھی ٹھکانا نہ ملے
میری بانہوں میں چلی آتی ہے گھبرائی ہوئی

میرے ہو کے رہو......!

سدا اپنی خاطر جگے ہو، سوئے ہو
اپنی خاطر ہنسے ہو، روئے ہو
کس لئے، آج کھوئے کھوئے ہو
تم نے آنسو بہت پیئے اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب مرے، صرف میرے ہو کے رہو

تم ازل سے دکھوں کے ڈیرے ہو
چاہے خود کو غموں میں گھیرے ہو
جب سے پیدا ہوئے ہو میرے ہو
آج کھولیں گے لب سیے اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب مرے، صرف میرے ہو کے رہو

اب مجھے اپنے درد سہنے دو
دل کی ہر بات دل سے کہنے دو
میری بانہوں میں خود کو بہنے دو
مدتوں زخم خود سیے اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب مرے، صرف میرے ہو کے رہو

حُسن ہی حُسن ہو، ذہانت ہو
عشق ہوں میں، تو تم محبت ہو
تم مری، بس مری امانت ہو
جی لئے، جس قدر جیے اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب مرے، صرف میرے ہو کے رہو

رہتے ہو رنج و غم کے گھیروں میں
دُکھ کے، آسیب کے بسیروں میں
کیسے چھوڑوں تمھیں اندھیروں میں
تم کو دے دوں گا سب دیے اپنے
تم بہت سال رہ لئے اپنے
اب مرے، صرف میرے ہو کے رہو

ایک شعر

اس قدر پیار سے نہ بولا کر
دشمنی کا گمان ہوتا ہے

اپنے لہو سے تیرا مقدر سنوار کے
''وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے''

کچھ اس لیے بھی اپنا اثاثہ ہے صرف یاد
دونوں جہان پھینک دیے تجھ پہ وار کے

یک دم ہی آ گیا جو کسی دوسرے پہ دل
یہ فیصلے تو ہوتے نہیں اختیار کے

دل کو تمھارے درد نے چھیڑا کچھ اس طرح
جیسے کسی نے چھیڑ دیے سُر ستار کے

ہم خستہ تن تھے آج سے ہم ہیں برہنہ تن
لے پھینک دیے ہم نے ترے غم اُتار کے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

"وہ (بیویاں) تمھارے لیے لباس ہیں اور تم (شوہر) ان کے لیے لباس ہو"
(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷)

میں خوش نصیبی ہوں تیری مجھے بھی راس ہے تُو
ترا لباس ہوں میں اور مرا لباس ہے تُو

عجیب شے ہے محبت بھی، دور ہیں لیکن
ترے قریب ہوں میں، میرے آس پاس ہے تُو

کیا ہے خود کو فراموش میں نے تیرے لیے
بہت ہی عام ہے دنیا، بہت ہی خاص ہے تُو

زمانہ ہم کو جُدا کر سکے، نہیں ممکن
محبتوں میں جو ناخن ہوں میں تو ماس ہے تُو

یہ ریت سی مرے ہونٹوں پہ جم گئی کیسی
مجھے گماں تھا کہ دریا ہوں میں تو پیاس ہے تُو

یہ کون تیرے مرے درمیان ہے جاناں
کہ میں بھی درد میں ہوں اور محوِ یاس ہے تُو

التجا............

میں نے گھر کے سارے موسم

سب دیواریں

سارے پردے

یادوں سے رنگ ڈالے ہیں

تم آؤ گے

تو اس گھر کی ہر کھڑکی، ہر باغیچے

ہر اک گوشے کو

اپنے رنگ میں ڈوبا ہوا محسوس کرو گے

آ جاؤ ناں!

آ بھی جاؤ......!

Third World

میں کسی طور ترا ہو ہی نہیں سکتا ہوں
چھوڑ دامن مجھے جانے دے مجھے تنگ نہ کر
دیکھ میں تیسری دنیا کا ہوں مفلس شہری
میرا ہر پل نئے قرضوں میں دبا جاتا ہے
یہ مرا دَور ہے اکبر کا حسیں دور نہیں
بھوک اور پیاس سے گرلاتے ہوئے لوگوں کو
دیکھ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ان حلقوں کو

دیکھ فرقوں میں بٹے جاتے ہیں میرے بازو
روز گلیوں میں کٹے جاتے ہیں میرے بازو
نت نئے ظلم کو سہتے ہوئے اور جیتے ہوئے
دیکھ میری نئی نسلوں کو دھواں پیتے ہوئے

میری گلیوں میں بھٹکتے ہوئے مفلس بچے
میرے کھیتوں میں اترتے ہوئے بنجر موسم
مجھے مزدور کی اُجرت کے لئے لڑنا ہے
دیکھ یہ آخری موقع ہے مرے لوگوں کا
اور ان کے لیے آگے کی طرف بڑھنا ہے
میرے محدود وسائل میں یہ ممکن ہی نہیں
میں انہیں دل سے لگاؤں کہ ترے پیکر کو
درد اتنا ہے کہ تھم جاتی ہے دھڑکن جاناں
آگ برساتا ہوا آتا ہے ساون جاناں
کیسے چھاؤں ترے ہاتھ میں [illegible] جاناں

میں نہیں کہتا کہ سستے ہیں ترے سب جذبے
ہاں مگر ان کو کسی اور کی آنکھوں میں سجا
دیکھ یوں ضد تو نہ کر میری رفاقت کے لیے
یہ ترا حسن نہیں کچھ بھی، محبت کے لیے
چھوڑ دامن مجھے جانے دے مجھے تنگ نہ کر
میں کسی طور ترا ہو ہی نہیں سکتا ہوں

نسلِ آدم کے مقدر میں فقط گولی ہے
تو بھی سنتی ہے ناں، بندوق کہیں بولی ہے
میرے لوگوں پہ مسلط ہوئی جاتی ہے یہ جنگ
دیکھ یہ پھول سے چہرے ہوئے کیسے بے رنگ
دیکھ قندھار، یہ بغداد، فلسطیں، کشمیر
[illegible] یا خواب تھے، اٹھیں ہو میں جن کی تعبیر

دیکھ یہ کس نے پکارا یہ تڑپ کس کی ہے
دیکھ وہ ایک ہی بیٹا تھا جسے مارا ہے
دیکھ وہ تازہ دھماکے میں جُھلستے ہوئے لوگ
دیکھ وہ نیم برہنہ کسی معذور کی لاش
ایک احساس کے آنچل کو ترستے ہوئے لوگ

دیکھ وہ جیب کترتا ہوا کمسن بچہ
دیکھ اُبھری ہے پھر آواز کہیں ماتم کی
میری تہذیب کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کا جلوس
میرے ملنے میں رُکاوٹ مرے خوابوں کا جلوس
رات دن سوگ کے عالم میں ہے تن من جاناں
اب تو بے معنی ہیں رشتے سبھی بندھن جاناں
کیسے پہناؤں ترے ہاتھ میں کنگن جاناں
میں کسی طور ترا ہو ہی نہیں سکتا ہوں
ایک صورت میں مگر ہمسفری ممکن ہے

اپنے فرسودہ محبت کے تصور کو بدل
مجھے پانا ہے تو پہلے مرے ہونے کو گنوا
نوچ کر پھینک دے اس دل سے مرے رنج وملال
اپنی رگ رگ میں بسا ''ان'' کی محبت کا خیال
دیکھ جو فیصلہ کرنا ہے ذرا جلدی کر
ہاں! تو پھر لا، مرے ہاتھوں میں حسیں ہاتھ تھما
اپنے مہکے ہوئے ہاتھوں سے یہ گولی تو نکال
میں وہاں دیکھتا ہوں تو یہاں والوں کو سنبھال

Reminder

تم نے کہا تھا

پہلی بارش کے پڑتے ہی

لوٹ آؤ گے......!

ہم اور تم مل کر بھیگیں گے

دیکھو جاناں......!

کتنی پھواریں بیت چکی ہیں

ساون پھر سے لوٹ آیا ہے

برسوں پہلے کیا تھا تم نے

مجھ سے عہد

نبھا جاؤ ناں

جاناں! لوٹ کے آ جاؤ ناں

اب تو لوٹ کے آ جاؤ ناں......!

دو شعر

خود سے کھینچا ہو کوئی زہر کا بھالا ہم نے
اس طرح اُس کو کلیجے سے نکالا ہم نے

ضد پہ آ جائے کسی بات پہ بچہ جیسے
دل ترے بعد کچھ اس طرح سنبھالا ہم نے